نام :۔۔۔۔۔ بین الاقوامی ایجنسیوں کا تعارف اوران کا طریق کار
تالیف :۔۔۔۔۔ اسرار عالم
تعداد :۔۔۔۔۔ ۱۰۰۰ ۱۹۹۴ء
قیمت :۔۔۔۔۔
مطبع :۔۔۔۔۔ فائن آرٹ انجینیرز۔ دہلی ۶

(سول ڈسٹری بیوٹرز)

قاضی پبلشرز و ڈسٹری بیوٹرز
ویج بلڈنگ حضرت نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۳

عرض ناشر

مجمع الفقہ الاسلامی الہند نے مدارس عربیہ دینیہ میں عصری علوم پر محاضرات کے اہتمام کے ساتھ مدارس اسلامیہ کے منتخب طلبار کے تربیتی کیمپس بھی مدارس میں ہی منعقد کیے۔ جس میں مختلف علوم وفنون پر علمار کی نگرانی میں ممتاز اساتذہ کے مختلف نہج اور معیار کے لکچرس ہوئے۔

مدارس کے عمومی فائدے کے پیش نظر اکیڈمی نے ان کی اشاعت کا منصوبہ بنایا ہے۔

توقع ہے کہ ہمارے طلبار درسیات پر محنت و توجہ کے ساتھ ساتھ عصری علوم وفنون کے مبادیات سے بھی واقف ہونے کی سعی کریں گے۔

والسلام
مجاہد الاسلام القاسمی

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ! اما بعد

محترم حضرات!

موضوع زیر بحث ہے "بین الاقوامی ایجنسیوں کا تعارف اور ان کا طریقۂ کار"۔
یہ موضوع نازک اور پیچیدہ ہی نہیں بلکہ ہمہ جہت بھی ہے۔ اس لئے مجھے بخوبی احساس ہے کہ بعض مقامات پر ترسیل اور ابلاغ کے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ میری کوشش ہوگی کہ پیچیدہ امور کو آسان ترین لب و لہجہ میں آپ سے بیان کروں، لیکن آپ بھی یہ تسلیم کرتے ہوئے میری بات سنیں کہ تمام ضروری امور کا احاطہ، جیساکہ ہونا چاہیئے، شاید ممکن نہیں۔

اقوام عالم میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے دشمنی اور عداوت کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں۔ اول دائمی اور دوم وقتی۔

دنیا میں کسی گروہ یا قوم کو اسلام یا مسلمانوں سے ممکن ہے کہ وقتی طور پر کوئی تکلیف پہنچ جائے یا شکایت ہو جائے اور یہ جذبہ عناد اور عداوت کی شکل اختیار کرلے۔ ایسی دشمنی وقتی ہوا کرتی ہے اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس ایک دوسری صورتحال ہے جس کا تعلق حیات ارضی اور تاریخ انسانی میں قوموں کی تقدیر سے ہے۔ تاریخ کی صورت اور دشمنی کی یہ روداد مستقل اور خطِ مستقیم میں رواں ہوتی ہے۔ ایسی عداوت کے اسباب دائمی ہوتے ہیں اور قوموں کی تاریخ کے ساتھ

ہی ختم ہوتے ہیں۔

وقتی دشمنی اگر دائروں کے مانند ہے تو دائمی دشمنی خطِ مستقیم کی طرح ہے۔

اسلام اور مسلمانوں سے وقتی دشمنی تو کسی بھی قوم یا گروہ کو ہو سکتی ہے۔ لیکن اسلام اور مسلمانوں سے دائمی دشمنی صرف دو قوموں میں پائی جاتی ہے۔ تاریخ کا یہ تجزیہ خود قرآن نے کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

(المائدہ ۸۲)

ترجمہ: تمام انسانوں سے زیادہ ان لوگوں سے جو ایمان لائے عداوت رکھنے والے آپ یہود اور ان لوگوں کو پائیں گے جنھوں نے شرک کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ دو قومیں دنیا میں ایسی ہیں جنھیں اہل ایمان سے سخت عداوت ہوگی۔ یہ دو قومیں ہیں یہود اور وہ لوگ جنھیں قرآن نے "الذین اشرکوا" کہا ہے۔

وقتی عداوت وقتی کشمکش کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کبھی وقتی دشمنی کا سبب وقتی محرومی ہوتی ہے۔

لیکن دائمی دشمنی دراصل کسی دائمی محرومی کا آئینہ دار ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی قوم کو اسلام اور مسلمانوں سے دائمی دشمنی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے اس قوم کے افراد کے دل میں دائمی محرومی کا کوئی احساس جاگزیں ہے۔

اس جگہ چند آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کی طرف آپ حضرات کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ حضرات اس کے سیاق و سباق اور ماله و ما علیه سے واقف ہیں لہٰذا اس سلسلے میں کوئی تفصیل مقصود نہیں۔ میرا مدعا تو بس یہ ہے کہ وہ باتیں جو آئندہ آئیں گی ان پر غور کرتے ہوئے ان آیات و احادیث کو بھی مدنظر رکھیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن أبي سعيد الخدري عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لتتبعن سُنَنَ من قبلكم شبراً شبراً ذراعاً ذراعاً حتى لو دخلوا جُحر ضب تبعتموهم قلنا يا رسول الله اليهود والنصارىٰ قال فمن (بخاری باب اعتصام الکتاب والسنۃ)

اس حدیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کے نقشِ قدم پر چلنے کے فتنے میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

دوسری حدیث مسند احمد کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لكل امة فتنة، ان الفتنة امتى المال (مسند احمد صفحہ ۱۶۰)

اس حدیث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عہدِ رسالت کے بعد قیامت تک اُمت مال کے فتنے میں مبتلا ہو سکتی ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقوم الساعة حتى تقاتلوا اليهود حتى يقول الحجر ورائه اليهودي يا مسلم هٰذا يهودي ورائي فاقتله۔ (بخاری کتاب الجہاد)

مذکورہ تینوں احادیث سے اہل ایمان اور یہود کے مابین صورتحال کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہود کی روش، ان کے پیدا کردہ فتنوں، اور ان سے اُمت مسلمہ کی آخری جنگ کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

سورۃ المائدہ آیت ۸۲ میں مذکور "الذین اشرکوا" اگرچہ عام اور خاص، محدود و غیر محدود دونوں ہی معنی میں لئے گئے ہیں لیکن تمام دلائل و قرائن پر غور کرنے سے یہ اصطلاح ہنود کے لئے اسی طرح خاص معلوم ہوتی ہے جس طرح یہود کے لئے اسی آیت میں مذکور لفظ "الیہود"۔

یہاں چونکہ اس کا موقع نہیں کہ دلائل و قرائن بیان کئے جائیں لہٰذا ان سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف تین باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو موجودہ صورتحال اور مسائل کے سمجھنے میں معاون ہو سکتی ہیں۔

(۱) یہود و ہنود اصلاً نسلی تفوق کے نظریے پر قائم ہیں۔

(۲) دونوں کی اسلام اور مسلمانوں سے کشمکش وقتی ہونے کے بجائے دائمی نوعیت

کی ہے۔

④ گزشتہ تین سو سالوں سے دونوں کے مابین مقامی اور عالمی ہر دو سطح پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تحالف ہے۔ بلکہ ہنود کی علمی و فکری نشاۃ الثانیہ جو ہندستان میں برطانوی تسلط کے زمانے میں ہوئی دراصل یہود مستشرقین کی مرہونِ منت ہے۔

اس سلسلے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو احادیث نہایت درجہ قابلِ غور ہیں۔ دونوں ہی حدیثیں سند کے اعتبار سے جید ہیں۔

پہلی حدیث امام نسائی نے سنن میں غزوۃ الہند کے عنوان کے تحت اور دوسری امام طبرانی نے حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

① قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عصابتان من امتي احرزهما الله من النار، عصابة تغزو الهند وعصابة تكون مع عيسى ابن مريم عليهما السلام۔

② عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه انه قال وعدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم غزوة الهند فان ادركتها انفق فيها نفسي فان اقتل كنت افضل الشهداء وإن ارجع فانا ابو هريرة المحرر۔

(سنن نسائی ومسند احمد)

ان دونوں حدیثوں سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ:

① اسلام اور مسلمانوں کا ہند اور یہاں کے اقوام و حالات سے ایک غیر معمولی تعلق ہے۔

② یہ تعلق اس درجہ غیر معمولی ہے کہ اس کی خبر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔

③ پہلی حدیث سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً وقت، حالات اور طریقۂ کار کے اعتبار سے معرکۂ عیسیٰ ابن مریم یعنی معرکۂ دجال اور معرکۂ ہند میں مشابہت، مماثلت اور تقرب زمانی ہے۔

مجموعی اعتبار سے مذکورہ تمام احادیث، اس عداوت اور کشمکش کی طرف اشارہ کرتی ہیں

جو دائمی ہے

دنیا میں یوں تو سینکڑوں قومیں آباد ہیں لیکن ان میں تین ایسی ہیں جن کے مزاج میں ایک مخصوص بات پائی جاتی ہے۔ ماہر قبلیات کی اصطلاح میں اس مزاج کا نام انسولر Insular ہے۔ انسولر Insular مزاج سے کسی قوم کی وہ خصوصیت مراد ہے جس کی بنیاد خالصتاً خون، ہڈی اور نسل پر ہے۔ اور جس کا رُخ اپنے اندرون کی طرف ہوتا ہے اور ہر معاملے میں وہ قوم نسلی اور خونی اعتبار سے دیگر قوموں سے خود کو ممیز رکھتی ہے۔ غالب، ہم رتبہ اور مغلوب ہر صورت میں اور ہر حالت میں یہ عصبیت برقرار رہتی ہے۔

دنیا کی وہ تین قابلِ ذکر انسولر قومیں درج ذیل ہیں۔

① یہود
② ہنود
③ پارسی یعنی زردشتی

تیسری قوم یعنی پارسی یا زردشتی قلت تعداد کے سبب تاریخ عالم میں اب تقریباً غیر موثر ہے۔ اس اعتبار سے دنیا میں دو ہی قومیں باقی رہتی ہیں۔

① یہود اور ② ہنود یعنی برہمن۔

برہمن ہی دراصل بنیادی طور پر ہندو ہیں۔ باقی دیگر قومیں خواہ وہ خود کو ہندو دھرم کا حصہ ہی کیوں نہ سمجھتی ہوں یا بتائی جاتی ہوں اس کی آلۂ کار ہیں یا غلام۔ مذکورہ حدیث میں اہلِ ہند سے مراد برہمن ہی ہیں اور دیانتِ ہندو سے مراد دیانت برہمن ہے۔

یہ دونوں قومیں نسلی تفوق کی بنیاد پر قائم ہیں۔ کوئی شودر، ویشیہ یا چھتری خواہ کتنا ہی کھرا ہندو ہو جائے وہ نہ برہمن ہو سکتا ہے نہ برہمن کی مذہبی مراعات پا سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی غیر ہندو اگر ہندو مذہب قبول کر لے تو وہ ممکن ہے چھتری، ویشیہ یا شودر میں سے کسی طبقے میں شامل کر لیا جائے لیکن وہ برہمن نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ دیانتِ ہنود کی بنیاد عقیدہ نہیں بلکہ نسل ہے۔

اسی طرح دیانتِ یہود کی بنیاد نسل ہے۔ یہود کسی کو یہودی نہیں بناتے۔ اگر

کوئی یہودیت قبول بھی کرلے تو یہودی نہیں بن سکتا۔ ہاں اصلی یہودی کوئی نام دیکر انھیں اپنا آلہ کار ضرور بنالیتے ہیں۔ چنانچہ یہودیوں نے بہت سی قوموں کے افراد کو یہودی قرار دیکر اسرائیل میں آباد کیا ہے خود اس انکشاف کے سلسلے میں جو یہودی سارے عالم میں اپنے گمشدہ قبیلوں کے لئے کر رہے ہیں ان کی تحقیق کی بنیاد کسی قوم کی نسلی مشابہت ہے۔

مثلاً سوڈان کی ایک قوم کو انھوں نے یہودی قرار دیا اور انھیں فلاشا Falasha کا نام دیکر لاکھوں کی تعداد میں اسرائیل میں آباد کر رہے ہیں ابھی چندماہ قبل شمال مشرقی ہندوستان کے صوبے میزورم میں بعض قبیلوں کو انھوں نے یہودی قرار دیا ہے۔ ان کی کوشش ہے کہ انھیں اسرائیل منتقل کیا جائے۔ شاید یہ ان کی ایک ضرورت بھی ہو۔ اس لئے کہ اسرائیل کی حفاظت کے لئے جان کی قربانی کی ضرورت ہے اور یہودی موت سے گھبراتے ہیں۔ اس صدی میں فلسطین میں آباد ہونے والے یہودیوں کی ابتدائی آبادی دو طرح کے یہودیوں پر مشتمل ہے۔

① سِفَرڈِم Sepherdim

② اَشْ کے نازم Ashkenazim

یہ دونوں اگرچہ موجودہ یہودیوں کی اشراف آبادی ہے لیکن اَشْ کے نازم وہ اصل یہودی ہیں جو اسرائیل کے مالک ہیں۔

یہاں ایک اور حدیث کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانی چاہتا ہوں۔ اگرچہ اس کا ذکر علامہ محمد طاہر بن علی گجراتی نے تذکرۃ الموضوعات میں کیا ہے۔ اور علامہ حسین بن محمد صغانی لاہوری نے اسے موضوع قرار دیا ہے لیکن دو ایسی باتیں اور سوال ہیں جن کے سبب اس حدیث کے غث یا سمین ہونے کے سلسلے میں از سرنو غور وفکر کی ضرورت ہے۔

پہلی بات یہ کہ

① یہ حدیث آٹھویں صدی ہجری سے قبل مشہور چلی آتی ہے۔ اس زمانے میں اس حدیث کے گھڑنے کی ضرورت (اگر یہ فی الواقع گھڑی ہوئی ہے) کیوں پیش آئی۔ اس کے پیچھے

کیا عوامل ہو سکتے ہیں؟ کیا اس حدیث کے مفہوم کی تصدیق کرتی ہوئی کوئی اور حدیث بھی مروی ہے جو مضبوط ہو؟ درایت کے اعتبار سے اس کا کیا مقام ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ اسے محض اس بنا پر موضوع قرار دیا گیا ہے کہ اس کا راوی کذاب یا مجہول تھا؟

② ایک حدیث جو آٹھویں صدی ہجری سے قبل مشہور ہوا اس میں یہود و ہنود کی یکجا روایت اور ان میں تقریب مزاج و طبع کی تحقیق کیا معنی رکھتی ہے۔ آج دونوں کے یکجا بیان کے کچھ خارجی عوامل ہیں۔ کل وہ عوامل بظاہر مفقود نظر آتے ہیں۔ اور پھر اس وقت مسلمانوں کی قوت قاہرہ کے سامنے ایسی حدیثوں کے گھڑنے کی وجہ اور بھی معدوم ہو جاتی ہے۔ اور اگر یہ یہود و ہنود میں سے کسی کی گھڑی ہوئی ہے تو یہ تو خود دلیل محکم ہو جائے گی۔ حدیث درج ذیل ہے:

اتقوا الیھود والھنود، ولو بسبعین بطنا۔

خود اس حدیث میں چند ایسے داخلی شواہد موجود ہیں جو از سرنو غور کرنے کی طرف لے جاتے ہیں۔

چنانچہ دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کو دائمی طور پر انھیں دو قوموں سے سابقہ پیش آسکتا ہے۔ ہر چند کہ عیسائی بھی مسلمانوں کے دشمن رہے۔ ان سے عہد خلافت راشدہ سے لے کر بہت بعد کے دنوں تک معرکہ آرائی رہی۔ لیکن بایں ہمہ متعدد وجوہات کی بنا پر ان کی عداوت اگر وقتی قرار نہیں دی جاسکتی تو دائمی بھی قرار نہیں دی جاسکتی۔ اس کے درج ذیل اسباب ہیں:

① اصل عیسائیوں کی عداوت مسلمانوں سے نظام عالم کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ ۱۴۵۳ عیسوی تک تسلیم کی جاسکتی ہے۔ مشرقی رومی سلطنت یا بازنطینی سلطنت کے خاتمے کے ساتھ اصل عیسائی سواد اعظم کی قوت جاتی رہی۔ حضرت ابوہریرۃ سے مروی متفق علیہ حدیث... وقیصر لیھلکن ثم لایکون قیصر بعدہ، اسی کی خبر معلوم ہوتی ہے۔

② جامع مسلم میں نافع بن عتبہ کی روایت سے عہد نبوی سے لے کر قیامت تک کی مدت خارجی تضادات کے اعتبار سے تین مرحلوں یا زیادہ سے زیادہ چار مرحلوں میں تقسیم

کی گئی ہے یعنی غزوہ جزیرۃ العرب، پھر فارس، پھر غزوہ روم اور پھر غزوہ دجال۔ اس اعتبار سے ۱۴۵۳ کے بعد رومیوں سے کسی آویزش کی تاریخ نہیں۔ گویا ۱۴۵۳ کے بعد وہ عہد شروع ہوتا ہے جس کا خاتمہ غزوہ دجال کی صورت میں ہوگا۔

④ ابو داؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال اور مسند احمد میں مرویات ابوہریرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصلی عیسائی بالآخر ایمان لے آئیں گے۔

④ اصلی عیسائیوں سے مراد یہودیوں کے خانہ زاد عیسائی، یہودی عیسائی اور عیسائی یہودی کے علاوہ عیسائی ہیں۔ یہودی عیسائی تو وہ ہیں جو علانیہ صیہونی عیسائی کہلاتے ہیں۔ عیسائی یہودی وہ یہودی ہیں جو بباطن یہودی ہیں اور بظاہر اپنے مشن کی تکمیل کے لئے عیسائی ہوگئے ہیں۔ اور خانہ زاد عیسائی وہ عیسائی ہیں جو یہودیوں کی سازشوں کے نتیجے میں اصل عیسائیت سے برگشتہ ہو کر الگ ہوگئے۔ معاصر عہد میں دنیا کی نصف عیسائی آبادی انھیں خانہ زاد عیسائیوں پر مشتمل ہے۔ ۱۴۵۳ کے بعد عیسائیت کی بنیادی تاریخ دراصل انھیں خانہ زاد عیسائیوں، یہودی عیسائیوں اور عیسائی یہودیوں کی تاریخ ہے۔

⑤ جہاں تک ۱۰۹۹ عیسوی سے ۱۲۱۲ عیسوی تک صلیبی جنگوں کی بات ہے تو یہ واضح رہے کہ ہرچند کہ اس جنگ میں پوری عیسائی دنیا نے حصہ لیا لیکن دراصل وہ اس یہودی سازش کا نتیجہ تھی جس کے تحت یہودیوں نے اپنے دشمن عیسائیوں کو مسلمانوں سے برسرپیکار رکھا۔ بالآخر عیسائی دنیا عالم اسلام سے ٹکرا کر نہ صرف پاش پاش ہوگئی بلکہ یوروپ کی تمام عیسائی مملکتیں جو جنگ میں شامل تھیں بشمول پاپائے روم یہودیوں کی مقروض ہوگئیں اور یہودی درپردہ یوروپ پر قبضہ کرنے اور عیسائیت کو پاش پاش کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

اب ذیل میں یہودیوں کی اس پیچیدہ اور گہری سازش کا ذکر کرنا چاہوں گا جو وہ گزشتہ چھ سو سالوں سے کرتے رہے ہیں اور جس کے نتیجے میں انھوں نے سارے نظام عالم کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔

دنیا میں یہودیت کے لئے کام کرنے والی تنظیمیں اور ان کی آلہ کار تنظیمیں بے شمار ہیں

جن کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔ ان تمام تنظیموں کی اعلیٰ ترین باڈی کا ایک نام آسانی کے لئے ہم تجویز کرتے ہیں تاکہ آئندہ اسی کا حوالہ دیا جاسکے۔ یہودی سازش پر غور کرنے والے ماہرین نے یہ نام تجویز کیا ہے۔ یہودیوں کی اعلیٰ ترین تنظیم کا نام ہے زنجری Zinjry جو بین الاقوامی صیہونی یہودیت Zionist International jewry کا مخفف ہے۔ دنیا میں کام کرنے والی لاکھوں تنظیمیں بنیادی طور پر اسی اعلیٰ ترین باڈی کے تحت کام کرتی ہیں۔

یہودیوں کے دو ہی دشمن تھے۔ عیسائی اور مسلمان۔ ہرچند کہ یہودی ہمیشہ مسلمانوں اور اسلام کی بیخ کنی میں پیش پیش رہے لیکن مسلمانوں نے عفو و درگزر سے کام لیا۔ جبکہ عیسائیوں کے ہاتھوں انھیں قرون وسطیٰ میں اپنی حرکتوں کے سبب سخت اذیت جھیلنی پڑی۔ یوروپ میں نشاۃ الثانیہ دراصل یہودی سازش کی کامیابی کی شروعات اور غلبہ کی تمہید ہے۔ نشاۃ الثانیہ کے بعد یہودیوں نے سازشوں کا جال بچھا کر عیسائیوں کے اتحاد اور عظیم مقدس رومی سلطنت Holy Roman Empire کو پاش پاش کر دیا۔ انھوں نے عیسائیوں کے عقائد اور ان کی فکر میں ایسا فساد برپا کر دیا کہ وہ باہم دست و گریباں ہوگئے۔ بلا مبالغہ کروڑوں عیسائیوں کی جانیں تلف ہوئیں۔ عیسائی دنیا پہلے دو حصوں پھر کئی حصوں میں منقسم ہوگئی۔ یہودیوں نے علانیہ اور خفیہ سازشوں سے عیسائیوں کی نصف آبادی کو اپنا حلیف اور آلۂ کار بنا لیا۔ اور اپنے دشمنوں مثلاً رومن کیتھولک چرچ اور آرتھوڈوکس چرچ Roman Catholic Church & Orthodox Church کی زندگی اجیرن کر دی۔ اب یہ حال ہے کہ آدھی عیسائی دنیا یہودیوں کی غمیل ہے اور اس کے اشاروں پر چلتی ہے۔ لیکن ان کے غمیلوں میں ایک طبقہ بطور خاص ذکر کے قابل ہے۔ اور وہ ہیں پروٹسٹنٹ یہ دراصل وہ عیسائی ہیں جو مغربی عیسائیت سے جسے لاطینی عیسائیت بھی کہا جاتا ہے ٹوٹ کر الگ ہوگئے۔ اب خود ان میں کئی طبقے وجود میں آگئے ہیں جن میں خاص موراویہ Moravians لوتھریہ Lutherians کالونیہ Calvinists اور اس کی شاخ پریسبائی ٹیرین Presbyterians اور اہم ترین چرچ آف انگلینڈ اور اس کی شاخیں بپٹسٹ Baptist کانگریگیشنلسٹ Congregationalists میتھوڈسٹ Methodist ایونجیلیکل Evangelicals موڈرنسٹ Modernests اور اینگلو کیتھولکس Anglo-Catholics ہیں۔

Holy See جو عالمگیر رومن کیتھولک عیسائیوں کی سلطنت ہے گزشتہ پانچ سالوں سے یہودیوں کے سبب شکست و ریخت کا شکار رہی ہے اور اب بھی سخت دباؤ میں ہے۔ رومن کیتھولک عیسائی کس قدر دباؤ میں ہیں اس کا اندازہ صرف دو مثالوں سے ہوجائے گا۔

(۱) جملہ عیسائی دنیا اور بطور خاص قدیم عیسائی دنیا کا متفقہ عقیدہ یہودیوں کے سلسلے میں خدا کی قاتل قوم Diecide Nation کا تھا۔ لہٰذا یہودیوں پر لعنت بھیجنا ان کی عبادت کا اہم ترین جزو تھا۔ موجودہ عہد میں اس عقیدہ کا اصل علمبردار رومن کیتھولک چرچ ہے۔ لیکن ویٹیکن ثانی کے حکم نامے Nostra Eetate مجریہ ۲۸/اکتوبر ۱۹۶۵ء اور Gentes Divinitus مجریہ ۷/دسمبر ۱۹۶۵ء کے تحت اس بنیادی عقیدے کو ختم کر دیا گیا۔ چنانچہ جمعہ حزنیہ یا عید فصح Godd Friday کی وہ مخصوص اور اہم ترین عبادت جو ۱۹ صدیوں سے عیسائیت کے لوازم میں سے تھی جس میں یہودیوں پر لعنت علانیہ طور پر بھیجی جاتی تھی ترک کر دی گئی۔

(۲) امریکہ جو دنیا کے تمام یہودیوں کی اصل آماجگاہ ہے کے انتخاب میں کسی طرح ایک شخص جو رومن کیتھولک تھا صدر کے عہدے تک پہنچ گیا تو اسے قتل کر دیا گیا۔ یہ شخص جان ایف کینڈی تھا جو امریکہ کی تاریخ کا پہلا رومن کیتھولک شخص تھا جو اس قدر اعلیٰ عہدے تک پہنچا۔

دنیا کے ہر گوشے میں پھیلی لاکھوں یہودی تنظیموں کا احاطہ کرنا یہاں ناممکن ہے ۔ تاہم ان کی ایک ایسی درجہ بندی کی جاتی ہے جس سے غور و فکر کرنے والوں کے لئے آسانی ہوجائے۔

عالمی یہودی تنظیم زنجری 'Zinjry' کے تحت کام کرنے والی تحریکوں اور تنظیموں کی تقسیم:

(۱) ہیئت کے اعتبار سے ان کی کم از کم دس اہم قسمیں ہیں :

(۱) فکری Ideological
(۲) سیاسی Political
(۳) انتظامی Administrative
(۴) معاشرتی Social
(۵) علمی Intellectual
(۶) سائنسی Scientific

(۷) ثقافتی Cultural
(۸) مذہبی Religious
(۹) تدبیری Strategic
(۱۰) ترسیلی Logistic

(۲) کارگردگی کے اعتبار سے ان کی کم از کم چار قسمیں ہیں :

(۱) ایجابی Positive
(۲) منفی Negative
(۳) اقدامی Active
(۴) سلبی Passive

(۳) تقسیم کار کے اعتبار سے ان کی کم از کم دو قسمیں ہیں :

(۱) ابلاغی Disseminatig
(۲) مراقبی Monitoring

(۴) ذرائع اور وسائل کے اعتبار سے ان کی کم از کم آٹھ قسمیں ہیں :

(۱) خفیہ اقدامی Secret Active
(۲) خفیہ سلبی Secret Passive
(۳) غیر متعلق Unattached
(۴) بلاواسطہ Direct
(۵) بالواسطہ Indirect
(۶) خودرو Spontaneous
(۷) اضطراری Critical
(۸) خودکار Self Growing

(۵) تعلقات کے اعتبار سے ان کی کم از کم دو قسمیں ہیں :

(۱) متحرک Alive

(۲) متروک Discarded (Abandoned)

ان تمام کا تفصیلی تذکرہ ایک دفتر چاہتا ہے جو سردست ممکن نہیں۔ تاہم مشتے از خروارے چند ایسی تنظیموں، تحریکوں اور اداروں کا ذکر کیا جاتا ہے جو یا تو براہ راست یہودیوں پر مشتمل ہیں یا جن کے تعلقات یہودیوں سے ہیں یا جنھیں یہودی کنٹرول کرتے ہیں یا جن پر یہودیوں کا اثر ہے۔ اس وقت یہ تمام تحریکیں، تنظیمیں اور ادارے بنیادی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرگرم عمل بلکہ برسرپیکار ہیں۔

(۱) براہ راست یہودی تنظیمیں:

(۱) انٹرنیشنل جیوش کانگریس — International Jewish Congress
(۲) انٹرنیشنل زایونسٹ لیگ — International Zionist League
(۳) بیری حاہ تحریک — Berihah Movement
(۴) بینائی موشے — Benei Mosha
(۵) ہاپویل ہامزراچی — Ha-Po'el ha Mizrachi
(۶) ہاشومیر ہازائر — Ha-Shomer ha Za'ir
(۷) ہانوار ہازیونی — Ha-Noar ha- Ziyyoni
(۸) اگودت اسرائیل — Agudat Israel
(۹) بیطار — Betar
(۱۰) بیلو — Bilu
(۱۱) بنڈ — Bund
(۱۲) ڈورشے ای زایون — Dorshei Zion
(۱۳) ازرت اَحیم — Azrat Ahim
(۱۴) ہبونم — Habonem
(۱۵) ہدسّہ — Hadassah
(۱۶) ہگانا — Haganah

(۱۷) ہخشراہ — Hakhsharah
(۱۸) ہسی دزم — Hasidism
(۱۹) ہسکلاہ — Haskalah
(۲۰) حیدر میتکن — Heder Metukkan
(۲۱) ہے حالوز — He-Halutz
(۲۲) ہیروت — Herut
(۲۳) حووے وائی زایون — Hovevii Zion
(۲۴) ہلفسویرین ڈر ڈیوٹشن جوڈین — Helfsverein der Deutschen Judden
(۲۵) ہستدروت — Histadrut
(۲۶) ارگن زیوائی لی اُمّی — Irgun Zevai Le'Ummi
(۲۷) جیوش ایجنسی (ورلڈ زایونسٹ آرگنائزیشن) — Jewish Agency (World Zionist Organisation)
(۲۸) جیوش کلونیل ٹرسٹ — Jewish Colonial Trust
(۲۹) جیوش لیجن — Jewish Legion
(۳۰) جیوش نیشنل فنڈ — Jewish National Fund
(۳۱) کدیمہ — Kadimah
(۳۲) کینسیت اسرائیل — Keneset Israel
(۳۳) لوحامی حیروت اسرائیل — Lohamei Herut Israel
(۳۴) مکابی — Macabi
(۳۵) محل — Mahal
(۳۶) ماپام — Mapam
(۳۷) مزراچی — Migrachi

(۳۸) نیوزایونسٹ آرگنائزیشن	New zionist Organisation
(۳۹) پائنیر ویمن	Pioneer Women
(۴۰) پوالائی زایون	Po-alei Zion
(۴۱) شالیہ (جمع شیلیہم)	Shaliah Plu-Shelihim
(۴۲) وادلی اُمّی	Va'ad Le Ummi
(۴۳) ویمنز زایونسٹ آرگنائزیشن	WIZO (Women's Zionist Organisation)
(۴۴) ینگ جوڈیہ	Young Judea
(۴۵) یوتھ عالیہ	Youth Aliyah
(۴۶) زآئی رائی زایون	Ze'irei Zion
(۴۷) زیونی زایون	Ziyyoni Zion
(۲) اینگلیکن چرچ آف انگلینڈ	Anglican Church of England
(۳) انٹرنیشنل کمیونسٹ کانگریس	international Communist Congress
(۴) اقوام متحدہ (یو این او)	United Nations Organisation (UNO)
(۵) سلامتی کاونسل	Security Council
(۶) انٹرنیشنل منی مارکیٹ	International Money Market
(۷) انٹرنیشنل اسٹاک ایکسچینج	international Stock Exchange
(۸) عالمی مالیاتی فنڈ	(IMF) International Monetary Fund
(۹) عالمی بینک (انٹرنیشنل بینک آف ری کنسٹرکشن اینڈ ڈیویلپمنٹ	World Bank or International Bank of Reconstruction & Development
(۱۰) پین	P.E.N or International ASsociation of Poets, Playwriter, Editors, Essayist & Novelists
(۱۱) انٹرنیشنل فری میسنری	international Preemasonary
(۱۲) انٹرنیشنل ریڈکراس	Interational Redcross
(۱۳) آکس فیم	OXFAM

(۱۴) ایمنسٹی انٹرنیشنل	Amnesty International
(۱۵) انٹرنیشنل اولمپک کمیٹی	International Olypic Committee
(۱۶) بینک آف سیکریسی کنٹریز	Bank Based on Secrecy Countries
(۱) بینک آف لکسمبرگ	Bank of Lusembarg
(۲) بینک آف برمیوڈا	Bank of Bermuda
(۳) بینک آف گرینڈ کیمین	Bank of Grand Caymon
(۱۷) دی لائڈس	The Lioyds
(۱۸) کنٹری رسک مینجمنٹ گروپ	Country Risk Management Group
(۱۹) دی راک فیلر انسٹی ٹیوٹ سینٹر	The Raekepellers Institute/Centre
(۲۰) چیز	Chase
(۲۱) بین الاقوامی ادارے	
(۱) انک ٹاڈ	UNCTAD
(۲) یو این ڈی پی	UNDP
(۳) ایف اے او	FAO
(۴) ڈبلیو ایچ او	WHO
(۵) یو این آئی ڈی او	UNIDO
(۶) یو این ای پی	UNEP
(۲۲) گروپ آف تھرٹی	The Group of Thirty
(۲۳) تین سپر بینکرس	Three Super Bankers
(۱) چیز مین ہٹن	Chase Manhattan
(۲) سٹی بینک	Citibank
(۳) کلاز سین	Clausen
(۴) فورڈ فاونڈیشن	Ford Foundation

(٢٥) ملٹی نیشنل کارپوریشنز — Multi National Corporations of MNCS.

(٢٦) سات بہنیں — The Seven Sisters

(٢٧) کاونسل فار اے پارلیامنٹ آف دی ورلڈس ریلیجنس — The Council for Parliament of the world's Religions

(٢٧) مسلم تنظیمیں:

(١) قادیانیت — Qadianism

(٢) بہائیت — Bahaism

(٣) دروزیت — Druzism

(۴) اسمعیلی — Ismaili

(۵) نصیری — Nusairites

(٦) مسلم ملکوں، خطوں اور حلقوں میں کام کرنے والی تمام اشتراکی (کیمیونسٹ)، سوشلسٹ Socialist سیکولر Secular
فری تھنکنگ Free Thinking اباحی Permissive
ترقی پسند Progressive تعقلی Rationalist
انسانی Humanist اور نام ونہاد اجتہادی So-called Ijtichadis
تحریکیں، تنظیمیں، ادارے حلقے اور خفیہ حلقے۔

یاد رہے! دنیا میں کمیونزم کا بانی ایک یہودی کارل مارکس تھا اور اس کے تمام بڑے لیڈر یہودی رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ نچلے طبقے میں دیگر قوموں اور مذاہب کے افراد بھی پائے جاتے ہوں لیکن وہ ان کے اصل مشن سے یا تو بے خبر ہیں یا ان کے ہاتھوں یرغمال یا آلۂ کار ہوں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں اور بطور خاص مسلم ملکوں میں کمیونسٹ پارٹیاں اسلام، اسلامی تہذیب وثقافت، اسلامی آثار ومروت اور مسلمانوں کی بیخ کنی کے لئے کام کرتی رہی ہیں۔

(٧) اسلام اور مسلم معاشرے میں انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں ابھرنے والی تمام باطنی تحریکیں تنظیمیں اور حلقے۔

(٨) اسلام کی صحیح تنظیموں اور تحریکوں میں داخل انفرادی حیثیت سے کام کرنے والے افراد

اور ان کے اندرونی حلقے۔

(٢٨) بھارت کی ہندو تنظیمیں جن کے قائم کرنے والے، ابتدائی خاکہ مرتب کرنے والے، سرپرستی فرمانے والے یا تعاون دینے والے یہودی رہے ہیں:

(١) انڈین نیشنل کانگریس — Indian National Congress

(٢) تھیوسوفیکل سوسائٹی — Theosoptical Society

(٣) برہمو سماج — Brahmu Samaj

(۴) رام کرشن مشن — Rama Krishma Mission

(۵) ہندو مہا سبھا — Hindu Maha Sabha

(٦) آریہ سماج — Arya Samaj

(٧) راشٹریہ سویم سیوک سنگھ اور پورا سنگھ پریوار — R.S.S & Sangh Parivar Dalit Voice

(٨) دلت وائس — DALIT VOICE

(٩) بہوجن سماج پارٹی — Bahujan Samaj Party

(١٠) تمام سوشلسٹ پارٹیاں — Socialists Parties

(١١) تمام کیمونسٹ پارٹیاں — All Communist Parties

(١٢) تمام ہیومنسٹ پارٹیاں — ALL HUMANIST PARTIES

(١٣) تمام لبرل پارٹیاں — All Libral Parties

(١۴) فری تھنکرس — Free Thinkers

ظاہر ہے ان تمام تحریکوں، تنظیموں، اداروں اور حلقوں کا بالتفصیل ذکر تو درکنار سرسری ذکر بھی ایک نشست میں ممکن نہیں۔ لہٰذا تمام سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف ایک تحریک کا ذکر کیا جاتا ہے جو ان تمام میں سب سے زیادہ خفیہ، سب سے زیادہ مؤثر اور سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ یہ تحریک ہے انٹرنیشنل فری میسنری یعنی بین الاقوامی فریمیسن تحریک

انٹرنیشنل فری میسنری سے مراد کوئی ایک تحریک یا تنظیم نہیں۔ اس نہج پر دنیا میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں تحریکیں، تنظیمیں اور حلقے قائم ہیں۔

عام طور پر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان میں فریمیسن تحریک اٹھارہویں صدی کے آخری ایام میں باضابطہ طور پر قائم ہو چکی تھی۔ لیکن ایسا سمجھنا ایک غلطی ہوگی۔ اس سے مراد غالباً فریمیسن تحریک کی تشکیل جدید سے ہے۔ اس تشکیل جدید کا نمایاں پہلو اس تحریک کا یا ان تحریکات کا کلیتاً مغربی طرز پر کام شروع کرنا ہے۔ ورنہ اس کے واضح ثبوت ملتے ہیں کہ یہ تحریک سولہویں صدی سے ہندوستان میں کام کرنے لگی تھی۔ لیکن اس تشکیل جدید کا یہ مطلب بھی نہیں لینا چاہیئے کہ اس کے تمام حلقے مغربی طرز پر کام کرنے لگے۔ خالص مشرقی طرز کے کام کے حلقے بھی قائم رہے۔ اٹھارہویں صدی سے قبل اس کا طرز زیادہ تر مشرقی تھا اور اس کے ذہین افراد عموماً ایشیا اور بطور خاص ایران اور عراق کے یہودی تھے۔ ان میں اصفہانی اور بغدادی یہودی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ظاہر ہے کام کرنے کی زبان فارسی، عربی اور ترکی تھی۔ اگر یہ کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا کہ ان دنوں ہندوستان میں اس تحریک یا ان تحریکات کی زمام کار اصلاً سفر دم کے ہاتھوں میں تھی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں عالم اسلامی کے عظیم الشان مراکز قسطنطنیہ، قاہرہ، بغداد، تہران اور دلی تھے۔ ان میں دلی سارے مشرق کا مرکز توجہ تھی۔ چنانچہ ۱۷ویں صدی سے اس تحریک نے مشرق میں دلی کو اپنا مرکز بنایا۔ اور اس سازش کے علمبردار اور کارکن جوق در جوق دلی کا رُخ کرتے اور پورے ہندوستان میں اپنا جال پھیلاتے چلے گئے۔ سلطنتِ مغلیہ جو کبھی غیر معمولی ذہین اور بیدار مغز بادشاہوں کی سلطنت تھی رفتہ رفتہ کمزور ہوتی چلی گئی۔ جب تک اس کے حکمراں ذہین رہے یہ سازش بہت کامیاب نہیں ہو سکی لیکن کمزور حکمرانوں کے آتے ہی اور بعض دیگر وجوہات سے اس تحریک نے کلی نفوذ حاصل کر لیا۔

اس میں اس بات کو بھی دخل ہے کہ عام طور پر اہل تشیع بوجوہ ان کے آلہ کار ہو گئے۔ اور بالآخر فریمیسن تحریک سلطنت مغلیہ کے دو ستونوں یعنی اہل تشیع اور اہل تسنن کو آپس میں لڑانے میں کامیاب ہو گئی۔ ایسا شک خلاف واقعہ نہیں کہ بعض فریمیسن یہودیوں بطور خاص

کرغیزیائی، گرجستانی، ارمنی اور اصفہانی یہودیوں نے خود کو شیعہ ظاہر کیا ہو اور شیعوں کے نام پر اپنے ہدف تک پہنچنے کی کوشش کی ہو۔

تحریک فریمیسن کی ترقی اور نفوذ کا دوسرا بڑا سبب سلطنت مغلیہ کی حضرات صوفیاء کرام سے دوری ہے۔ صوفیاء کرام سے ابتدائی مملوک اور الباری ترکوں کو جو قربت حاصل تھی وہ سلطنت مغلیہ کے وقت موجود نہ رہی۔ بلاشبہ ان حالات میں ایسے اولوالعزم مشائخ پیدا ہوئے جنھوں نے باوجود رکاوٹوں اور ریشہ دوانیوں کے سلطنت مغلیہ یا ان کے صالح امرائے سے ربط استوار رکھ کر اسلام دشمنوں کا سدباب کرنا چاہا۔ اسی طرح بعض حکمراں اور امراء ایسے بھی ہوئے جنھوں نے ان مشائخ سے اسلام دشمنوں کا سدباب کرنے کے لئے ربط خاص رکھا۔

سترہویں، اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں ہندوستان میں اور بطور خاص دلی میں شیعوں اور سنیوں کے مابین جتنے معرکے بھی مذکور ہیں انھیں اسی نقطۂ نظر سے از سر نو پرکھنے اور مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اکبر کی بے دینی، عہد جہانگیری میں ایرانی شیعوں کا نفوذ، عہد عالمگیری میں شیعہ سنی کشمکش مابعد کے مغلیہ حکمرانوں کے عہد میں دونوں کا بُعد اور ٹکراؤ، مرزا مظہر جان جاناں کی شہادت اور شاہ فخرالدین دہلوی پر قاتلانہ حملہ اسی سازش کی اہم کڑیاں ہیں۔ اسی کے ساتھ عہد اکبری میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی، عہد جہانگیری میں حضرت مجدد الف ثانی سرہندی، عہد شاہجہانی میں شاہ کلیم اللہ دہلوی عہد عالمگیری و مابعد مغل میں تین اساطین حضرت مرزا مظہر جان جاناں شاہ فخرالدین اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور آواخر اٹھارہویں صدی اور اوائل انیسویں صدی میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کوششیں اسی اُمڈتے ہوئے طوفان کو روکنے کی جدوجہد تھیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم دوسرے رُخ پر اس وقت چلے جاتے ہیں اور کسی حد تک غلط نتیجہ اخذ کرتے ہیں جب ہم ان نزاعات کو کلیتاً اور صرف شیعہ سنی نزاع قرار دیتے ہیں۔

یہودیوں نے جہاں اہل تشیع میں نفوذ حاصل کر کے ان کا استحصال کیا وہیں اہل تسنن حتیٰ کہ صوفیاء کرام کے بعض طبقات کو بھی آلہ کار بنانا چاہا۔ ان میں مشائخ بھی تھے، علماء دین بھی

اور عامۃ المسلمین بھی۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی کے مکتوبات کلیمی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے وصیت نامہ میں ان متصوفین کے چہرے کھول کر رکھ دیئے گئے ہیں۔

ہندوستان میں فری مسن تحریک کی سب سے قدآور شخصیت سرمد کی ہے۔ سرمد نے چند ہی سالوں میں سلطنت مغلیہ کو ڈائنا مائٹ کر دینے کی سازش کی تھی۔ لیکن حضرت عالمگیر کی نگاہ دورس سے اور معاصر بیدار علماء ومشائخ کی فراست سے اس کا انسداد ہوگیا۔ حالات وواقعات یہ بتاتے ہیں کہ ۱۷۵۷ سے لیکر ۱۸۵۷ تک رونما ہونے والے واقعات میں جو سلطنت مغلیہ کے خاتمے پر منتج ہوئے ان کا سب سے بڑا ہاتھ تھا۔ بہادر شاہ ظفر کے ایک ریفرنس سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار کو اس طبقے کی سازشوں کا بخوبی علم تھا۔

اس سلسلے کی دوسری قدآور شخصیت نمود وانمود کی ہے جس نے عہد فرخ سیر میں رسوخ حاصل کرلیا تھا۔

ہندوستان میں علماء کرام کے درمیان براہِ راست فریمیسن تحریک کے متعلق استفہام واستفتاء انیسویں صدی کے اواخر میں شروع ہوا۔ ایسا لگتا ہے کہ اس وقت سے پہلے وہ ان سازشوں کو کسی اور جانب منسوب کرتے تھے۔ تاہم میرا خیال ہے کہ ۱۸۵۷ میں دلی میں جو علمی سرمایہ تباہ ہوگیا یا جنھیں انڈیا آفس لائبریری منتقل کر دیا گیا یا مشائخ اور علماء کے وہ ملفوظات جو سرد خانوں میں پڑے ہیں سامنے لائے جائیں تو ان سازشوں کا مزید علم ہوگا۔

ہندوستان میں فریمیسن کے متعلق سب سے واضح سوال مولانا اشرف علی تھانویؒ سے پوچھا گیا جس کا جواب انھوں نے اپنے رسالے "التقی فی احکام الرقی" اور "طلسم کشائی فریمیسن" میں دیا ہے۔ یہ دونوں رسالے غالباً ۱۹۰۱ میں لکھے گئے ہیں۔

فری مسن تحریک سرتاپا خفیہ تحریک ہے۔ اس کا اصل دائرہ کار اعلیٰ طبقات ہیں۔ بادشاہان، شہزادے، امراء، (موجودہ جمہوری نظام میں صدر مملکت، وزیر اعظم، فوجی افسران) بڑی مذہبی شخصیتیں، بڑے تاجر اور صاحب اثر لوگ ان کے خاص ہدف ہوتے ہیں۔ اس کے چھوٹے چھوٹے حلقے ہوتے ہیں۔ ایک ہی شہر میں کئی حلقے ہوسکتے ہیں جسے لاج Lodge کہا جاتا ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ ایک لاج کے افراد اپنے تمام رفقاء سے واقف ہوں اسی طرح

یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک لاج کے تمام افراد دیگر لاجوں کے افراد سے واقف ہوں۔ ماضی قریب میں وہ بڑے لوگ جن کے بارے میں متعین طور پر یہ معلوم ہے کہ وہ فریمیسن تحریک کے سرگرم کارکن تھے ان میں ترکی کے مصطفیٰ کمال پاشا، ایران کے آخری شاہ رضا شاہ پہلوی، مصر کے صدر انورالسادات اور ایران کے وزیر اعظم امیر عباس ہویدا اہم ہیں۔ جیسا کہ ماقبل عرض کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں چند تحریکیں اور تنظیمیں جو یا تو براہِ راست یہودی تنظیمیں ہیں یا ان کے عمیل ہیں ان میں قادیانی، بہائی، دروزی، نصیری، بعثی، ازارقہ اور ازارقۂ جدیدہ اور اسمٰعیلی خاص ہیں۔ کمیونزم کے غلبہ پانے کی صورت میں کمیونسٹ پارٹی وہی کام کرتی رہی۔

قادیانیت کے سلسلے میں زیادہ عرض کرنا چنداں ضروری نہیں۔ تاہم تین باتیں ایسی ہیں جن کا ذکر بطور خاص کیا جانا چاہیئے۔

① ہندوستان میں بٹالہ کے نزدیک واقع قادیان اور پاکستان میں ربوہ کے بعد ان کا سب سے منظم مرکز اسرائیل کے شہر حیفا میں ہے۔ اس وقت بھی جب اسرائیل میں مسلمانوں کا رہنا دوبھر ہے قادیانیوں کو اسرائیل میں کام کرنے کی پوری آزادی ہے۔

② کمیونسٹ روس میں جہاں کسی کا علانیہ مسلمان رہنا موت کو دعوت دینا تھا اور جہاں لینن سے لیکر بریزنیف تک کروڑوں مسلمان شہید کئے گئے انقلاب روس سے ابتک قادیانیت کو کام کرنے کی پوری آزادی رہی۔

③ جنگ خلیج کے بعد دنیا میں جو سیٹیلائٹ چینیل کا مواصلاتی انقلاب برپا ہوا ہے اور مواصلاتی ٹکنالوجی میں ترقی یافتہ ہونے کی وجہ سے مغرب نے عالم اسلامی پر مواصلاتی یلغار کر دی ہے تاکہ ساری اسلامی دنیا کو مغربی ثقافت کے رنگ میں غرق کر دیا جائے ایسی حالت میں ۱۹۹۲ کے اواخر میں سب سے بڑی مراعات قادیانیت کو دی گئی تاکہ وہ وسطی ایشیا کے تمام ملکوں میں اپنے خیالات وعقاید مصنوعی سیارچوں کے ذریعہ پھیلائے اور مسلمانوں کو اسلام کی طرف لوٹنے سے باز رکھ سکے۔

جہاں تک بہائیت کا تعلق ہے تو وہ گویا اہل تشیع کے قادیانی ہیں۔ سید علی محمد المعروف بہ باب (پیدائش ۱۸۱۸ عیسوی) سے لیکر بہاء اللہ (پیدائش ۱۸۱۷)، عبد البہا

(پیدائش ۱۸۴۴) شوقی ربانی (پیدائش ۱۸۹۷) تا ایں وقت ان کی پوری تحریک اسلام کے
انہدام کے لئے تھی۔ ان کا قبلہ جو مشرق الاذکار کہلاتا ہے اسرائیل میں کوہ کرمل میں واقع ہے۔
یہ بات قابل ذکر ہے کہ بہائیت کے ابتدائی مویدین میں روسی یہودی نواز ادیب ٹالسٹائی اہم ہے
اس کے دیگر مغربی مویدین میں ملکہ رومانیہ، لیڈی مارتھا، بادشاہ ڈنمارک، شہزادہ اولگا،
مارتھا روتھ، ڈوروتھی بیچر، ایمیلیا کیلنس، لوائیگٹ سنگر، تھوربورن کروپر، لیڈی بلوم فیلڈ
اور سارا فارم جیسے مرد و خواتین رہے ہیں۔

اہل تشیع میں اسمٰعیلی سب سے آگے بڑھ کر ان کے عمیل اور مددگار رہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کے
روابط حسن علی شاہ آغاخان اول کے زمانۂ امارت میں ۱۸۳۴ کے بعد از سر نو استوار ہوئے۔ یہ وہی
زمانہ ہے جب انہیں کرمان کی گورنری کا عہدہ چھوڑنا پڑا جہاں سے وہ محلات (اصفہان) چلے گئے۔
واضح ہو کہ اصفہان یہودیوں کا ایک بڑا مرکز رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہودیوں کی وساطت سے
حسن علی شاہ کو ہندوستان میں برطانوی عملداری میں پناہ ملی۔ یہ ۱۸۴۲ کی بات ہے۔ ہندوستان
میں جتنے کم عرصے میں آغاخان جیسے غیر ملکی کو عروج، مقبولیت اور رسوخ حاصل ہوا وہ شاید ہی
کسی کو ہوا ہوگا۔ حسن علی شاہ کے بعد ان کے بیٹے علی شاہ (متوفی ۱۸۸۵) اور پھر ان کے بیٹے
سر سلطان محمد آغاخان کو جیسا رسوخ حاصل رہا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ
سلطنت برطانیہ کی پوری وسطی ایشیا کی پالیسی آغاخان اول و دوم و سوم اور اب چہارم کے
تعاون سے چلتی رہی ہے۔ شاید ہی کسی شخص کو اتنا نوازا گیا ہو۔ مثلاً سر سلطان محمد آغاخان
(پیدائش ۱۸۷۷) کو ۱۸۹۸ میں K.C.I.E ، 1903 میں C.C.I.E ، 1911 میں G.C.S.I ،
1923 میں G.C.N.O کے خطابات دیئے گئے۔ کسی مذہبی شخصیت کو پہلی بار سلطنت برطانیہ
نے فرسٹ کلاس چیف First Class Chief مع گیارہ توپوں کی سلامی سے نوازا ہے تعجب
تو یہ ہے کہ ۱۹۰۶ میں ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کے سیاہ و سفید کے مالک ہوگئے،
اور ۱۹۳۰ میں ہندوستانیوں کے تمام طبقات کی طرف سے متفقہ طور پر گول میز کانفرنس میں
نمائندہ قرار پائے۔

مسلمانوں کی سادگی سمجھ میں آنے والی بات ہے، حیرت تو اس بات پر ہے کہ ان کی

نمائندگی پر نہ تو سلطنت برطانیہ کو اعتراض تھا نہ مہاتما گاندھی جیسی قدآور شخصیت کو۔ آغاخان کی
خصوصی خدمت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ برطانیہ کی وزارت خارجہ نے جس کی خفیہ فائلیں
حسب روایت پچاس سالوں کے بعد عام Declassify کردی جاتی ہیں، خلاف معمول
اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ وسطی ایشیا، افغانستان اور شمال مغربی ایشیا کی وہ فائلیں جو
آغاخان سے متعلق ہیں مزید ایک سو پچاس سالوں تک عام Declassify نہ کی جائیں۔

یہاں ہندوستان کے تعلق سے یہ بات عرض کرنی برمحل معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت اور
برہمنیت صرف مزاجاً ہی یکساں نہیں بلکہ وہ سینکڑوں سالوں سے ایک دوسرے کے حلیف
اور پشتیبان رہے ہیں۔ موجودہ زمانے میں ان دونوں کے تحالف کا اندازہ واضح طریقے سے
اٹھارھویں صدی میں ہو جاتا ہے۔ مشہور شاعر سر رویندر ناتھ ٹھاکر (المعروف بہ ٹیگور) اور
مہاتما گاندھی کے مراسم یہودیوں سے انتہائی درجے کے تھے اور مغرب میں ان کے پروجکشن
Projection میں سرتاسر یہودی تنظیمیں متحرک اور فعال رہی ہیں۔

جو حضرات یوروپ کی تاریخ کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں وہ اس بات سے بخوبی واقف ہونگے
کہ اٹھارہویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے یوروپ کی تمام حکومتوں پر یہودیوں کا غلبہ ہو چکا تھا،
لیکن ان میں سلطنت برطانیہ کو وہ خصوصی مقام حاصل ہے جو کسی اور کو نہیں۔ ۱۹ ویں صدی
میں مغرب کی ہر حکومت یہودی کاز کے لئے سرگرم عمل رہی۔

یہودیوں کی عالمی تحریک جسے ہم نے زنجری Zinjry کے نام سے موسوم کیا ہے
کے طریقہ ہائے کار سے گفتگو کرنا چنداں آسان نہیں۔ ان کے یہاں سینکڑوں طریقے ایسے
رائج ہیں جو اپنے اصول میں متباین ہیں۔ فردعات کی کل تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہے۔
ان سینکڑوں طریقوں کا مختصر تعارف بھی آسان نہیں۔ لہٰذا صرف ایک اصولی طریقۂ کار کا
ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

یہ اصولی طریقہ کار Rationalisation کہلاتا ہے جس کا مفہوم ہے تعقلیت۔
ریشنلائزیشن وہ عمل ہے جس سے ان کے نزدیک ریشنلزم Rationalism کا قیام مقصود ہے۔
ریشنلزم Rationalism کا مفہوم ہے عقل کو مذہب میں آخری فیصلہ کرنے والا قرار دینا

اوران تمام نظریات کا رد کرنا جو عقل سے مطابقت نہیں رکھتے۔

ریشنلائزیشن Raioanalisation کے تین فروع مشہور ہیں۔ یعنی تین ایسے طریقے، جو فروعات میں مختلف ہیں لیکن اصول کے اعتبار سے ایک یعنی عقل پر مبنی ہیں، کے استعمال سے تعقلیت قائم کرنا۔ یہ تین طریقے درج ذیل ہیں:

(۱) سیکولرائزیشن Secularisation

(۲) ڈیموکریٹائزیشن Democratisation

(۳) کمرشیلائزیشن Commercialisation

گزشتہ پانچ سو سالوں سے یوروپ میں ان مقاصد کے حصول کے لئے بلا مبالغہ ہزاروں تحریکیں، تنظیمیں، حلقے اور زاویئے مختلف ناموں سے کام رہے ہیں۔

سیکولرائزیشن Secularisation سے مراد ہے انسان کے فکر و نظر معاملات، تہذیب، ثقافت، اور تمدن کو عقیدہ اور دین سے منقطع کرنا یعنی اسے ریگولر Regular یعنی متشرع کے بجائے سیکولر Secular بنانا۔ یہ ایک وسیع و ہمہ جہت عمل کا نام ہے۔ سیکولرائزیشن کے لئے ہزاروں طریقے روبہ عمل لائے جاتے رہے ہیں۔ سیکولرائزیشن کا نصب العین حقیقی سیکولرازم قائم کرنا ہے جو ریشنلزم Rationalism کی لازمی شرط ہے۔

ڈیموکریٹائزیشن Democratisation کا مفہوم ہے نظم معاشرت کو اور بطور خاص سیاستِ مدنیہ کو عامی بنانا۔ اس کا مطلب نہ تو قطعاً آمریت کا خاتمہ کرنا ہے اور نہ عوام الناس کی رائے کا احترام کرنا بلکہ اس کا مطلب ہے: معاشرے کے ذہین صاحب علم، اور ذمہ دار افراد یعنی اسلامی اصطلاح میں اہل الرای اور اہل فتویٰ کو بے دخل کر کے ایک ایسی عامی، عوامی یا جمہوری تنظیم قائم کرنا جس کے پردے میں یہودی ساری دنیا پر اپنی آمریت قائم کر سکیں۔ ڈیموکریٹائزیشن کا نصب العین ڈیموکریسی Democracy یعنی آجکل کی اصطلاح میں جمہوریت قائم کرنا ہے جو ریشنلزم Rationalism کی دوسری بنیادی شرط ہے۔

کمرشیالائزیشن Commercialisation کا مطلب ہے تمام انسانی زندگی اور اس زندگی کی تنگ و دو کو مادیت میں محدود کر دینا اور تمام مادی اشیاء، خدمات،

جذبات حتیٰ کہ فطری خواہشات کو خالص مادی پیمانے کے اعتبار سے قابل تبادلہ یعنی بیع و شراء کے دائرے میں لانا۔ اس کے تحت ہر چیز، خدمت، جذبہ اور فطرت مادی اشیا کی طرح مال ہو جاتی ہے اور قابل قیمت ٹھہرتی ہے لہذا قابل بیع و شراء ہو کر قابل تبادلہ ہو جاتی ہے۔ کمرشیالائزیشن کی انتہا یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شئے، خدمت، جذبہ اور فطرت ایسی باقی نہ رہے جو مال کی طرح قیمت نہ رکھتی ہو اور قابل تبادلہ بصورت بیع و شراء نہ ہو۔ کمرشیالائزیشن کا ہدف ہے دنیا میں پائے جانے والے تمام مادی، غیر مادی اور انسانی وسائل بشمول حیاتیاتی وجماداتی وسائل پر یہودیوں کی اجارہ داری Monopoly قائم کرنا اور ساری دنیا کو اپنا غلام دائمی بنا لینا۔

کمرشیالائزیشن کے لئے ہزاروں طریقے روبہ عمل لائے گئے ہیں۔ اقوام متحدہ کی ساری کاروائیاں، سلامتی کاونسل کے فیصلے، اقوام متحدہ کی ذیلی تنظیمیں مثلاً UNDP UNCTAD UNEP UNIDO FAO اور عالمی مالی فنڈ IMF اور عالمی بینک WB کی کاروائیاں دیگر بین الاقوامی ادارہ جات، اسلحوں کی تخفیف (N.P.T) کی کاروائیاں، خاندانی منصوبہ بندی کی کوششیں، ماحولیاتی تحریکیں، اسقاط حمل کو قانونی قرار دینا، سب کی سب کمرشیالائزیشن کی ذیلی شاخیں ہیں۔ حتیٰ کہ یوتھینیزیا یعنی اپنے پسند سے اپنی موت کا فیصلہ کرنا اور میڈیکل سائنس کے وہ تمام تجربے اور ایجادات کی کوششیں جس میں انسانی جسم کی ہر چیز قابلِ استعمال اور قابل بیع و شراء ہو اسی کا حصہ ہے۔ چنانچہ فیملی پلاننگ، اسقاطِ حمل کو قانونی بنانا، یوتھینیزیا (یعنی اپنی پسند سے موت)، Gene کے تجربات (جسکے تحت انسانی اعضا مصنوعی طور پر تیار کرنے کے تجربات ہو رہے ہیں حتیٰ کہ مصنوعی جاندار بنانے کے تجربات ہوئے ہیں) دراصل اس کمرشیالائزیشن کی انتہائی منزل پر پہنچنے کی کوشش ہے جہاں یہودی ایک عالمگیر طاقت کے اعتبار سے اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ کتنے لوگوں کو زندہ رہنا چاہیئے ساتھ ہی ساتھ ان کا منشا یہودیوں کے علاوہ آبادی کے سلسلے میں وہی ہے جو سامان اور آلہ جات کا ہے یعنی اگر کسی وقت خاص میں انسانی وسائل کی زیادہ ضرورت ہے تو اتنے انسان پیدا کرلئے جائیں اور جب ضرورت نہ ہو تو انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے ٹیسٹ ٹیوب بے بی اور

Poultry farms (مرغبانی کے مراکز) میں جو تجربات ہو رہے ہیں (یعنی مثلاً وہ کسی دن ایک لاکھ چوزے نکالتے ہیں۔ اگر پچاس ہزار بک سکے تو بقیہ پچاس ہزار کو برقی چولھوں میں جلا ڈالتے ہیں اس لئے کہ پچاس ہزار کو ایک دن پالنا دوسرے دن نئے پچاس ہزار پیدا کرنے کے مقابلے میں مہنگا ہوتا ہے) اسی کمرشیلائزیشن کا حصہ ہے۔

سردست ہم ان واقعات سے صرف نظر کرتے ہیں جو عالم عیسائیت میں یہودیوں کی سازشوں سے رونما ہوئے اور نہایت اختصار کے ساتھ صرف ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں جو عالم اسلام میں واقع ہوئے۔ اٹھارہویں صدی سے قبل یہودیوں کی اصل معرکہ آرائی عیسائیوں سے ہو رہی تھی۔ اٹھارہویں صدی کے اواخر یا انیسویں صدی کے اوائل میں وہ پوری طرح مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

اس کا تو موقع نہیں کہ سیکولرائزیشن، ڈیموکریٹائزیشن اور کمرشیالائزیشن Secularisation، Democratisation اور Commercialisation تینوں کے تجربات بیان کئے جائیں۔ لہٰذا صرف سیکولرائزیشن کے پیٹرن Pattern کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

گزشتہ دو سو سالوں میں عالم اسلامی کے مختلف خطوں میں سیکولرائزیشن کے کم از کم دس تجربات دس پیٹرن کے تحت کئے گئے۔ اس کے تحت ان کی بنیادی کوشش مسلمانوں کو دین کے سرچشمے سے فکری، ایمانی اور عملی طور پر الگ کر دینے کی تھی۔

① ترکی کا پیٹرن Turkish Pattern

چونکہ ترکی میں خلافت عثمانیہ قائم تھی اور آستانہ عالم اسلامی کا سیاسی مرکز تھا لہٰذا وہ یہودیوں کی توجہ کا اولین مرکز بن گیا۔ وہاں استعمال کئے گئے پیٹرن میں ترکی نژاد یہودی جو دونمہ کہلاتے ہیں اور مشرقی یورپ کے یہودی جو اشکینازم کہلاتے ہیں نے نہایت اہم رول ادا کیا۔

② جزیرۃ العرب کا پیٹرن Arabian Pattern

یہودیوں کا سب سے خطرناک اور خفیہ پیٹرن جزیرۃ العرب کا پیٹرن ہے۔ اس پیٹرن کے تجربات سترہویں صدی کے نصف آخر سے شروع ہوتے ہیں اور اٹھارہویں صدی کے اوائل میں واضح تر ہو جاتے ہیں۔ یہ پیٹرن عیسائی دنیا میں آزمودہ کالونسٹ Calvinist Pattern

سے بہت ملتا جلتا ہے۔

③ مصر کا پیٹرن Egyptian Pattern

تیسرا پیٹرن مصر میں اختیار کیا گیا۔ نپولین بونا پرتے کی آمد سے ہی ایک نئے پیٹرن کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ نپولین کی آمد بنیادی طور پر اسی مقصد کے تحت تھی۔ اس کا عکس شیخ عبدالرحمٰن جبرونی کی کتاب عجائب الآثار فی التراجم والأخبار میں ملتا ہے شیخ محمد مہدی، حسن عطار، شہاب الدین مولف، عبداللہ ندیم، قاسم بک امین کا از سر نو مطالعہ کیا جانا چاہیئے۔

آپ کو یہ جان کر سخت حیرت اور افسوس ہوگا کہ ان کی سازشوں سے جامعۃ الازہر بھی محفوظ نہیں رہ سکا۔ یہودیوں نے اپنے تربیت یافتہ ماہرین کو ازہر میں طالب علموں کی طرح داخل کروایا جو چند سالوں میں نہ صرف یہ کہ فارغ ہو کر عالم اسلامی کے مختلف گوشوں میں پھیل گئے بلکہ اپنی اپنی جگہ صاحب رسوخ بھی ہو گئے۔ انیسویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے یہودی مصری زندگی میں پوری طرح دخیل ہو گئے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اقوام متحدہ کے موجودہ سکریٹری جنرل بطروس غالی کے دادا جو یہودیوں کے بڑے آلہ کار تھے مصری پاشاؤں کے یہاں سیاہ و سفید کے مالک ہو گئے تھے۔

مصر کے اس پیٹرن کا تیسرا مرحلہ جنرل نجیب اور بطور خاص جمال عبدالناصر کے اقتدار پر قابض ہونے سے شروع ہوا جو بالآخر انور السادات کے ہاتھوں اسرائیل سے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کی صورت میں نکلا۔

یہاں اس کا تذکرہ کرنا برمحل معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کے طریقوں میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ بالکل ابتدائی مرحلوں میں اپنے افراد کو اپنے دشمنوں کی صف میں شامل کر دیتے ہیں جو وہاں کچھ دنوں میں خاصے بارسوخ ہو جاتے ہیں۔ پھر بعد میں جب انھیں موقع ملتا ہے تو وہ اپنی شہرت، مقبولیت اور رسوخ کے پردے میں یہودیوں کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں جن کا عام حالات میں تصور کرنا محال ہے۔

اخوان المسلمین جیسی تحریک میں نوجوان جمال عبدالناصر اور انور السادات کی یہی صورتحال

تھی۔ ۱۹۵۴ میں انقلاب کے برپا ہوتے ہی جمال عبدالناصر نے اخوان المسلمین کو بربریت کے ساتھ کچلنا شروع کیا۔ ۱۹۷۰ میں ناصر کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد انور السادات نے کیمپ ڈیوڈ معاہدے پر دستخط کردیئے۔ واضح ہو کہ سادات ایک مشہور فریمیسن تھا۔ اور اس کی بیوی جہاں ایک معزز یہودی خاتون ہے۔ مصر کا کیمپ ڈیوڈ معاہدہ پر دستخط کرنا پورے ملتِ اسلامیہ کی فلسطین پالیسی سے انحراف اور غداری کے مترادف ہے۔

سادات کی بیوی جہاں کی یہودیوں میں توقیر اور عزت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب عالمی یہودی کانگریس میں دو بڑے مذہبی طبقوں میں اختلاف رونما ہوا تو اسے ثالث اور حکم قرار دیا گیا۔

④ غیر منقسم ہندوستان کا پیٹرن Pattern of Undivided India

غیر منقسم ہندوستان کے پیٹرن کا آغاز سرسید احمد خان سے ہوتا ہے۔ ان کے مزاج کی تبدیلی ۱۸۴۰ کے بعد ہوئی۔ سرسید نے سیکولرائزیشن کی طرف پہلا قدم ۱۸۶۳ میں بڑھایا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے مخلص ہوں لیکن ایسا لگتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں میں گھر گئے جو فریمیسن ہوچکے تھے۔ ان میں مراد آباد کے راجہ جے کشن داس اور سلطنت آصفیہ کے سر سالار جنگ قابل ذکر ہیں۔

سرسید کی ان کوششوں کے پیچھے کون سی قوت کارفرما تھی اور ان کے کیا کیا مقاصد تھے اور ان کا نصب العین کیا تھا اس کے لئے ایک اقتباس کافی ہوگا۔ یہ ایک ڈیسپیچ Dispatch ہے جو لندن ٹائمز کے نمائندے نے کلکتے سے بھیجا تھا اور جو لندن ٹائمز کی ۲۲ جنوری ۱۸۷۷ کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔

اقتباس درج ذیل ہے: (چونکہ اقتباس میں یوروپ میں یہودیوں کے ذریعہ استعمال کی جانے والی خفیہ زبان و اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں اس لئے ان مخصوص مقامات کو نشان زد کردیا گیا ہے):

"گزشتہ دوشنبہ کو ہمارے کلکتہ آفس سے جو خبر موصول ہوئی ہے اس میں ایک مختصر اطلاع دی گئی ہے کہ لارڈ لٹن نے علی گڑھ میں محمڈن کالج کا سنگ بنیاد رکھا..."

"مختصر یہ کہ اس کالج کی بنیاد اپر انڈیا کے لبرل مسلمانوں کی فتح ہے جو انگریزوں کی تائید میں ہوتے ہوئے بھی محبان وطن میں شمار ہوتے ہیں اس سیکشن کے نمائندے سید احمد خان کہے جاسکتے ہیں جو اس اسکیم کے موسس ہیں۔ ابتدا میں متعصب مسلمانوں کی طرف سے اس منصوبے کی مخالفت ہوئی جنھوں نے سرسید پر الحاد و ارتداد کا الزام عاید کیا۔ سالار جنگ کے چندہ دینے سے دربار نظام کے کٹر درباری مخالفت پر تل گئے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس منصوبے کو مقبولیت حاصل ہونے لگی..."

"علی گڑھ میں اس وقت جو کام ہو رہا ہے اس کی مقدار یقیناً کم ہے لیکن اس سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ اپر انڈیا کے مسلمانوں کے سماجی اصلاح کے دھارے کا رُخ ورفتار کیا ہے۔ مسلمانوں کی تعلیمی ترقی سے متعلق سر رچرڈ ٹمپل کی مشہور یادداشت موجودہ اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ ہمارے ساتھی مسلمان رعایا کی پرافتخار علیحدگی پسندی اگر بالکل دور نہیں ہوچکی ہے تو بتدریج کم ہوتی جارہی ہے۔

...آج صبح ہم نے جو تفصیل علی گڑھ کے ایک نئے اینگلو انڈین کالج کے قیام اور اس سے توقعات کی شائع کی ہے وہ ایک طور پر ہماری دوگونہ خوشی اور خیر مقدم کا موجب ہے۔ اس ادارے کے بانیوں نے جس مشکل مہم کو اپنے سامنے رکھا ہے وہ یقیناً قابلِ لحاظ اور غیر معمولی ہے۔

"ہمارے لئے مسلمانوں کے سخت تر طبیعت پر قابو پانا زیادہ مشکل تھا اور اس کو قابو میں لانا قدر و قیمت کے اعتبار سے بھی بہتر تھا لیکن یہ کام بے انتہا دشوار تھا۔ اپنے مسلک اور اپنی تاریخ کے پیش نظر وہ ہم کو اپنا حریف سمجھتا ہے۔ طاقت سے محروم ہوجانے کے سبب سے وہ افسردہ رہا ہے کہ پہلے کی طرح وہ اپنا اثر و اقتدار منوا نہیں سکتا تھا۔ لیکن وہ برابر اس کا متوقع اور منتظر رہا ہے کہ اس کی غلامی کا عہد ختم ہوجائے گا اور وہ اس زنجیر سے آزاد ہوجائے گا جس سے اس کے نئے آقا تدبیر و تزویر سے اس کو جکڑتے جاتے تھے..."

"علی گڑھ کا یہ کالج اس امر کا مستقل ثبوت ہے کہ بالآخر ہماری مساعی کتنی سنگلاخ شئے پر اثر انداز ہوئیں جن کا ہم کو سابقہ تھا۔ اور اسی بنا پر اس تحریک کو شکل دینا اور اسکی ترقی میں معاون ہونا جتنا زیادہ مشکل ہے اتنا ہی حق بجانب ہے..."

"جب تک مطلوبہ بنیادی سرمایہ ہاتھ میں نہ آجائے اس پر بحث کرنا قبل از وقت معلوم ہوتا ہے کہ علی گڑھ کی آئندہ ترقی کے امکانات کیا ہیں۔ اور جن اصولوں پر وہ چلایا جانے والا ہے وہ کہاں تک صحیح ہیں۔ ہم جو بہترین نتیجہ نکال سکتے ہیں ان کا مدار فی الحال امیدوں پر ہے نہ کہ پیشن گوئیوں پر۔ البتہ بعض باتیں ایسی ہیں جن پر ہم قیاس آرائی کر سکتے ہیں مشنری کا خاکہ مکمل ہے۔ صرف جزئیات کی خانہ پری باقی ہے اور یہ وقتاً فوقتاً جیسے جیسے ضرورت پیش آتی رہے گی اور سرمایہ فراہم ہوتا رہے گا پوری ہوتی رہیں گی.....؛"

" علاوہ بریں ایک امید افزا علامت غیر متوقع لامذہبی (سیکولر) رواداری کی روح کی کارفرمائی ہے۔ ظاہر ہے مسلک اسلامی ہوگا لیکن مسلمانوں کے ساتھ ساتھ بے دین Giaour کو بھی اس کا حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی قابلیت سے یہاں کے فوائد حاصل کرنے کا اپنے کو مستحق ثابت کریں۔ آزادی خیال کے راستے میں یقیناً یہ ایک پیش قدمی ہے۔ جس امتیاز کو تقریباً حال ہی میں لیکن نامکمل طور پر ہم نے حاصل کیا ہے اور جس کے بارے میں ہم کو بہت کم توقع تھی کہ ہندوستانی مسلمانوں کی مستحکم صف میں اس طرح تمام و کمال راہ پا سکے گی۔

" انگلستان میں جو کالج قائم کئے گئے شروع شروع میں بہت معمولی کامیابی سے ہم کنار ہوئے"

اس طویل اقتباس سے اس کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ سرسید خواہ کچھ بھی سوچ رہے ہوں لیکن جو قوت ان کے پیچھے کارفرما تھی ان کا مقصد کیا تھا۔ چنانچہ یہ ایک المیہ ہے کہ گزشتہ ایک سو سالوں میں جہاں ہندوستان کی دیگر قومیں علم و فن میں خوب ترقی کرتی گئیں اور ان میں ایسی قیادت بھی پیدا ہوئی جو ان کی ایسی قومی امنگوں کی عکاس اور آئینہ دار تھی جن کا تعلق براہ راست ان کے عقائد کے سرچشموں سے تھا، وہیں علی گڑھ تحریک اور اس کی بنائی ہوئی فضا اپنے قیام سے لیکر اب تک مجموعی اعتبار سے امت کے لئے ہمیشہ مسئلہ بنی رہی بظاہر وہ امت کے امنگوں کی نمائندگی بھی کرتی رہی اور فی الاصل وہاں امت اور دین کی بیخ کنی بھی ہوتی رہی۔ چنانچہ گزشتہ ستر سالوں میں وہاں کی ابنائے نسلیں امت میں کمیونزم،

دہریت، سوشلزم، ترقی پسندانہ رجحانات اور مغرب پسندی پیدا کرنے کی باعث ہوئی۔ علی گڑھ کی تحریک مسلمانوں کو اسلام سے لاتعلق کرکے مغربی بنانے کی کوشش نہیں تھی بلکہ اسلام اور مسلمان رکھتے ہوئے اصلاً سیکولرائز کرنے کی کوشش تھی۔

اس امڈتے ہوئے سیلاب کے سامنے سب سے بڑا بند باندھنے کی کوشش علامہ اقبالؒ نے کی اور جو کچھ تبدیلی نظر آتی ہے وہ انھیں کی دین ہے۔

آج امت میں قیادت کا جو خلا یا عدم توازن ہے اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ امت کا فکری علمی اور مالی سرمایہ علی گڑھ تحریک کی بنائی ہوئی فضا میں جو برصغیر کے ہر خطے میں پھیل چکی تھی گزشتہ سو سالوں سے ضائع ہوتا رہا ہے۔

⑤ عراق اور پاکستان کا پیٹرن Pattern of Iraq and Pakistan

سیکولرائزیشن کا پانچواں پیٹرن وہ پیٹرن ہے جس کا استعمال جنگ عظیم دوم کے بعد عراق اور پاکستان میں کیا گیا۔

⑥ شام کا پیٹرن Syrian Pattern

سیکولرائزیشن کا چھٹا پیٹرن شام کا پیٹرن ہے۔ اس سے مراد وہ پورا علاقہ ہے جو موجودہ شام لبنان فلسطین اور اردن پر مشتمل ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن کواکبی، فرنیس مراش حلبی، نجیب حداد، جرجی بک زیدان اور ڈاکٹر یعقوب صراف کی کوششوں کو اسی عنوان کے تحت دیکھنے کی ضرورت ہے۔

⑦ یمن اور الجزائر کا پیٹرن Pattern of Yeman & Algeria

⑧ افغانستان کا پیٹرن Pattern of Afghnistan

سیکولرائزیشن کا آٹھواں پیٹرن افغانستان میں استعمال کیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ افغانستان میں یہودیوں کی ایک معتدبہ تعداد آباد تھی۔ جن کے روابط بیک وقت وسطی ایشیا کے یہودیوں سے بھی تھے اور ایران و ترکی و بغداد کے یہودیوں سے بھی۔ لیکن انیسویں صدی کے آتے آتے خانات کے زوال کے سبب ان کے روابط روس اور اس کے راستے مشرقی یوروپ کے یہودیوں سے بھی ہو گئے۔ اور ان کی سازشوں کا ایک بڑا مرکز

افغانستان ہوگیا۔ بعض شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ انیسویں صدی سے ہی افغانستان کے
شاہی گھرانے میں فریمیسن دخیل ہو چکے تھے۔ انھوں نے بعض قبائل کو بھی اپنے اثر میں لے لیا تھا۔

(۹) وسطی ایشیا اور البانیہ و یوگوسلاویہ کا پیٹرن — Pattern of Central Asia, Albanie & Yugoslaria

(۱۰) جنوب مشرقی ایشیا کا پیٹرن — Pattern of S.E. Asia

یہودیوں کا طریقۂ عمل:

مسلم معاشرے میں یہودیوں کا طریقۂ عمل کیا ہوا کرتا ہے اس کا جاننا نہایت ضروری ہے
یہودیوں کا پہلا طریقۂ کار ہے اپنی جملہ قوت سے آگاہی، اپنے مضبوط اور کمزور پہلوؤں
کا لحاظ اور قوم کی پوری صلاحیت کو مجتمع کرنا۔

ان کا دوسرا عمل ہے اپنے دشمنوں سے متعلق تمام باتوں حتیٰ کہ چھوٹی سے چھوٹی جزئیات
سے کماحقہ آگاہی۔ چنانچہ انھوں نے عیسائیوں کے خلاف معرکہ آرائی سے پہلے یورپ میں
ان کی تمام جزئیات سے آگاہی حاصل کی۔ اسی طرح انھوں نے عالم اسلام کا بے حد گہرائی
کے ساتھ مطالعہ کیا۔ یہاں یہ بات اچھی طرح واضح رہنی چاہیئے کہ مستشرقین کا اسلامی اور
مشرقی علوم میں مہارت حاصل کرنے کی بنیادی وجہ ان کی جزئیات کو سمجھنا تھا۔ لہٰذا وہ معلومات
کی درآمد سے زیادہ متعلق رہے اور ان کو مثلاً عربی فارسی، ترکی یا اردو کے ادیب ہونے کی
خواہش نہیں ہوئی الّا یہ کہ کوئی یہودی خود اہل زبان ہو۔

جملۂ معترضہ کے طور پر یہ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ ہمارے آج کے اچھے خاصے سمجھدار
مسلمانوں کا رویہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ وہ مغرب کی جزئیات کی معلومات کو عالم اسلامی
کے سواد اعظم کو منتقل کرنے سے زیادہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ عالم اسلامی کی باریک سے
باریک بات اس سے پہلے کہ خود اسلامی سواد اعظم کو ان کی حقیقت و تفصیل معلوم ہو مغربی زبانوں
میں پیش کرنے کے زیادہ شوقین نظر آتے ہیں۔ شاید یہ جلد شہرت حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

چنانچہ ماضی کی بات تو درکنار میرے ایک دوست نے جن کی ایک بڑے جرمن مستشرق
سے دید شنید ہے بتایا کہ گزشتہ کئی سالوں سے ان کا ادارہ تصوف کی باریکیوں کا مطالعہ

کردار رہا ہے اور یہ ایک اتنا بڑا منصوبہ ہے جس پر کروڑوں ڈالر کا صرفہ آسکتا ہے۔

ہندوستان میں یہ عناصر یوں تو اکبر کے زمانے سے ہی آنا شروع ہو گئے تھے لیکن جہانگیر
کے زمانے میں ان کا کام زیادہ منظم ہو گیا۔ لیکن اس دور میں ان کی شناخت اکثر و بیشتر
بحیثیت شیعوں یا باطنیوں کے اعتبار سے کی جاتی تھی۔ چنانچہ جن بزرگوں نے اس وقت
ان فتنوں سے نبرد آزمائی کی ان کا ہدف عموماً شیعہ یا باطنی رہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی سے لیکر حضرت مجدد الف ثانی تک اور شیخ عبدالکریم
سیالکوٹی سے شاہ کلیم اللہ دہلوی، شاہ ولی اللہ دہلوی، مرزا مظہر جان جاناں، شاہ نظام الدین
اورنگ آبادی، شاہ فخرالدین دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کوششیں اسی کا پتہ
دیتی ہیں۔

یہاں اس بات کی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ شیعہ خود تشویش کا باعث نہ تھے۔
لیکن ہندوستان میں شیعوں کی سرگرمیاں کلیتاً مسلکی تھیں۔ یعنی وہ اس کے خواہشمند تھے
کہ ہندوستان میں ان کے مسلک کو قوت اور ترویج حاصل ہو۔ ان کے ساتھ ایک دوسرا
عنصر بھی تھا جو خالصتاً سیاسی تھا۔ یعنی ایران کی حکومت اور سلطنت مغلیہ کے مابین مفادات
کی کشمکش۔ ظاہر ہے اکثر حالات میں شیعان ہند کی ہمدردیاں اہل ایران کے ساتھ ہو جاتی
ہاں اکثر و بیشتر انھیں اس کی چنداں پرواہ نہیں رہتی تھی کہ بحیثیت مسلمان تمام اہل اسلام کو
ہندوستان میں کس قومی کشمکش کا سامنا ہے۔ پھر بعض وجوہات سے اہل تشیع کی دیواریں
کسی عالمی کشمکش کے مقابلے کے لئے کماحقہ مضبوط نہیں تھیں۔ چنانچہ حضرات اثنا عشری کو
چھوڑ کر دیگر طبقات بڑی آسانی سے آلۂ کار بنالئے جاتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ شیعوں کے
نام سے دوسروں نے سازش کی۔

لہٰذا ہندوستان میں اہل تشیع اور اہل تسنن کی کشمکش کا دوبارہ آغاز عہد ہمایونی میں
شروع ہوا۔ اس کے پیچھے کوئی اور قوت تھی یا اس قوت نے اس کشمکش کا فائدہ اٹھایا یہ ایک
جدا تاریخ ہے۔ ہاں اس کشمکش کے نتیجے میں جو بات سب سے پہلے رونما ہوئی وہ یہ تھی کہ
اس مقامی نسلی قوت کو جو بے محل ہو گئی تھی اپنی طاقت مجتمع کرنے کا موقع مل گیا۔

یہی وہ وقت تھا جب یہود ہندوستان میں سرگرم ہوئے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہندوستان میں یہودیوں کی سب سے بڑی اور قدآور شخصیت سرمد کی گزری ہے۔ سرمد کے علاوہ تین ایسی شخصیتیں ہیں جن کا مشن پردۂ خفا میں ہے۔ پہلی شخصیت سرمد کے پیر ہرے بھرے شاہ کی دوسری شخصیت سرمد کے خلیفہ سیّد شاہ المعروف بہ ہینگا مدنی کی اور تیسری شخصیت نمود وانمود کی۔

تاریخ کے مطالعے سے ایسا لگتا ہے کہ سرمد فریمیسن کے مشرقی مرکز سے تعلق رکھتا تھا۔ چنانچہ اس دور میں اس کے کاموں کا زور سات نقطوں پر تھا جو بعد میں نو امور تک پھیل گیا۔

① فریمیسن کی پہلی کوشش اس بات کی ہوتی تھی جو ان کی بنیادی تکنیک رہی ہے، کہ بااثر حلقوں میں رسوخ حاصل کیا جائے۔ بادشاہ، شاہزادے، ملکہ، شہزادیاں، حرم کی دیگر خواتین، امرا، بڑے تاجران کے اولین ہدف ہوا کرتے تھے۔

چنانچہ سرمد کچھ ایسے غیر معمولی طریقے سے داراشکوہ کو اپنے حلقۂ اثر میں لانے میں کامیاب ہوگیا کہ اگر عالمگیر جیسی ذہین اور ہمہ جہت شخصیت نہ ہوتی تو مشرق کی سب سے بڑی سلطنت کے سیاہ وسپید کے مالک یہودی عہد شاہجہانی میں ہی ہو چکے ہوتے۔ بعد کے مغل بادشاہوں کے دربار میں بارسوخ تین ایسی شخصیتوں کے نام لئے جا سکتے ہیں جن کا تعلق اس تحریک سے ہو سکتا ہے۔ ان میں پہلی شخصیت اسرائیل سرماد کی ہے جو ارمنی یہودی تھا اور خواجہ سرماد کے نام سے مشہور تھا۔ دوسری شخصیت ڈان جولیانا المعروف بہ بی بی جولیانا کی تھی۔ اسی طرح تیسری شخصیت خواجہ آبنوس کی تھی۔

خواجہ سرماد کے رسوخ کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کے دوستوں میں تقرب خاں، خانِ دوران اور صلابت خان جیسے افراد کا نام ملتا ہے۔ بی بی جولیانا جو خود کو عیسائی ظاہر کرتی تھی اور حرم میں داخل تھی براہِ راست ملکہ اور شہزادیوں بلکہ بادشاہ کے توسط سے احکام شاہی میں دخیل تھی۔ آخری مغل تاجدار کے زمانے میں حکیم احسن اللہ خان، بہادر شاہ ظفر کے سمدھی الٰہی بخش مرزا اور مرزا اسد اللہ خان غالبؔ کا تعلق خواہ آلۂ کار ہی کی حیثیت سے ہو فریمیسن سے نظر آتا ہے۔

② یہودیوں کی دوسری کوشش دینی اور مذہبی طبقے میں رسوخ حاصل کرنے کی ہوتی تھی۔ لہٰذا اس اعتبار سے بڑے مشائخ اور علماء کے خانوادے ان کے اولین ہدف ہوا کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس میں خاصے کامیاب ہوئے۔ ان کی کامیابی کی کم سے کم صورت یہ تھی کہ انھوں نے بعض مشائخ کو ان کاموں سے یکسر الگ کر دیا جو ہندوستان میں مثلاً خواجگان چشت اور خواجگان فردوسیہ کا طرۂ امتیاز تھا۔

③ ان کی تیسری کوشش مسلم حکمرانوں، مشائخ اور علماء، اور عوام کو ایک دوسرے سے الگ کر دینے کی ہوتی تھی۔

④ یہودیوں کی چوتھی کوشش مسلم عوام میں افراتفری پھیلانے کی ہوتی تھی۔ وہ اس سلسلے میں ہر طرح کی لاقانونیت اور طوائف الملوکی کو ہوا دیتے تھے۔ اس سے پہلا فائدہ تو یہ ہوتا تھا کہ عوام چند دنوں کے بعد ارباب حل وعقد سے متنفر ہو جاتے تھے۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ ملک میں واقع ہونے والی باتوں سے رفتہ رفتہ عوام لاتعلق رہنا پسند کرنے لگتے تھے۔ اس سے تیسرا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ نازک سے نازک گھڑی میں تینوں طبقات یعنی حکمراں، مشائخ وعلماء اور عوام میں یہ داعیہ پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ باہم مربوط ہو کر کسی بحران کا مقابلہ کریں۔ یا کسی نعمت غیر مترقبہ سے فائدہ اٹھائیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال پانی پت کی تیسری جنگ ہے۔

⑤ مذکورہ چار طریقوں کے علاوہ یہودی کچھ دیگر طریقوں کا بھی استعمال کرتے تھے۔ مثلاً ایسے حکمرانوں یا امراء کا خاتمہ یا انھیں بے دخل کر دینا جو ان کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے تھے۔ چنانچہ خود اورنگ زیب کا خاتمہ کرنے کے لئے دارا کو آمادہ کرنا اور اسے بادشاہ بننے کی بشارت دینا، آصف الدولہ کو دہلی چھوڑنے پر مجبور کرنا وغیرہ۔

⑥ اس سلسلے کا چھٹا طریقہ مخالف مشائخ کا خاتمہ کرنا تھا۔ چنانچہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کی شہادت، شاہ فخر الدین دہلوی پر ناکام قاتلانہ حملہ وغیرہ ہے۔

⑦ اس سلسلے کی ساتویں تدبیر باشعور اور مزاحم علماء کا خاتمہ کرنا تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہاتھوں کو توڑ کر مفلوج کر دینا اور پورے خانوادے کو

دہلی بدر کردینا اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

⑧ یہودیوں کی آٹھویں کوشش یہ ہوتی تھی کہ علماء کو آپس میں یا علماء اور مشائخ کو ایک دوسرے سے لڑوادیا جائے۔

⑨ انیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی انھوں نے ایک نئی کوشش کا آغاز کردیا۔ یہ کوشش تھی ایک طرف علماء کو خفیہ طریقے سے اس طرح آپس میں لڑانا کہ کسی کو محسوس نہ ہو کہ وہ فی الواقع کسی کے آلۂ کار کی طرح لڑ رہے ہیں اور دوسری طرف اس لڑائی کو عامۃ المسلمین تک پہنچا کر پورے معاشرے میں لڑائی کی آگ بھڑکا دینا۔ چنانچہ پوری انیسویں صدی میں ہندوستان کی تاریخ اور بطور خاص دہلی کی تاریخ اس پر شاہد عدل ہے کہ یہ ایک تیسرے طبقے کی کاروائی تھی جس کا مرکز دہلی تھا۔ اور مسلم سواد اعظم کا اس سے فی الواقع کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لئے ۱۸۵۷ تک ان جھگڑوں کا مرکز صرف دہلی رہا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کو جس سخت آزمائش کا سامنا رہا ہے اس کا تقاضا تھا کہ ہر زمانے میں مسلم حکمران، مشائخ و علماء اور عامۃ المسلمین کے مابین نہایت گہرا ربط رہتا۔ جس کا بخوبی اندازہ ترک بادشاہوں کے زمانے کی تاریخ سے ہوجاتا ہے۔

یہ بات ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس خطے میں اسی وقت اسلام اور مسلمانوں پر آفت آئی ہے جب حکمرانوں، مشائخ و علماء اور عامۃ المسلمین کے مابین ربط کمزور پڑ گیا یا مربوط ہونے کے بجائے وہ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوگئے۔

چنانچہ یہاں کی نزاکتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی ہر زمانے میں شدید ضرورت رہی ہے کہ مسلم حکمران یا جو ان کاموں کے وارث ہوں اور مشائخ علماء اور عامۃ المسلمین کے مابین ہمہ وقت اور شفاف Transparent ربط قائم رکھا جائے۔

اپنے خاص لوگوں اور آلہ ہائے کار کے کاموں سے الگ یہودیوں کے پانچ ایسے طریقے اور ایسے طریقے ہیں جن کا استعمال کرکے وہ مخلص مسلمانوں کو کمزور کر دیتے ہیں۔ ان طریقوں کی اہمیت اس اعتبار سے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس میں انھیں کم سے کم طاقت لگانا پڑتی ہے

اور زیادہ سے زیادہ مقصد برآری ہوتی ہے۔ یہ ایک قسم کی بالواسطہ جنگ Proxy War ہے جس میں سراسر نقصان مسلمانوں کا ہوتا ہے۔ وہ پانچ طریقے درج ذیل ہیں۔

① مسلمانوں کے مختلف طبقات مثلاً حکمران، مشائخ، علماء، تاجر، فوجی افسران، عوام خواہ وہ تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ مرد و خواتین اور نوجوانوں کو باہم برگشتہ کرکے مختلف عنوانات کے تحت علمی اور فکری لڑائی میں الجھا دینا۔ یہ کام دور سے خود یا کسی آلہ کار کے ذریعہ دیوار پر شیرہ لگانے کے مانند ہوتا ہے۔ اور مخلص مسلمانوں کے مختلف طبقات محض سادگی میں اس کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اس مدت میں یہودی یا تو مزید رسوخ حاصل کرکے اپنی جڑیں مضبوط کرتے ہیں یا اپنے مقاصد تک پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ دو سو سالوں سے عالم اسلامی میں جتنے مباحثے مناظرے اور لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں بیشتر اسی کے شاخسانے ہیں۔

② دوسرا طریقہ ہے مسلمانوں کی نمائندہ مرکزی قوت کو بے اعتبار کرنا یا ختم کر دینا۔ چنانچہ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے لئے کی جانے والی بے شمار کوششیں، مشروطیت، نوجوان ترکوں Young Turks کا ظہور، عرب قومیت اور لارنس آف عربیا کے کارنامے سلطنت قاچار میں بہائیوں کی کوششیں، اور برصغیر میں سلطنت مغلیہ کے دوستوں سنیوں اور شیعوں، کو باہم لڑانا اسی کا حصہ تھا۔ ۱۹۵۱ کی کراچی سازش، شاہ فیصل کا قتل، عراق کی تباہی اور اس وقت پاکستان کو بار بار دی جانے والی امریکہ کی دھمکی اسی قبیل کی باتیں ہیں۔ انقلاب ایران کے بعد عراق ایران جنگ اور اس موقع پر شیعہ اور سنی بحث ومباحثہ بھی اسی کا حصہ تھے۔

③ ان کا تیسرا طریقہ ہے مسلمانوں کے ذہین طبقات کو مختلف سازشوں سے بے اعتبار کردینا۔ اس کے لئے وہ ان کے خلاف غلط باتیں پھیلاتے ہیں۔ ایسی شخصیتوں کی جن سے ان کو خطرہ ہو جاسوسی کرتے ہیں ان کی لغزشوں کے ثبوت کو محفوظ رکھتے ہیں اور انھیں موقع پر استعمال کرتے ہیں اور ان کے خلاف باضابطہ مہم چلاتے ہیں اور بعض اوقات انھیں بلیک میل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

④ ان کا سب سے موثر طریقہ کار یہ ہے کہ وہ دو مخلص مسلمانوں کو یا دو طبقات کو نہایت خفیہ طریقے سے اس طرح لڑا دیتے ہیں کہ دونوں مخلص افراد یا طبقات جو فی الواقع اس سازش سے بے خبر ہوتے ہیں یہ باور کرتے ہیں کہ وہ حق کے اظہار کی جد و جہد کر رہے ہیں اور اپنی اپنی جگہ ایسا سمجھنے میں وہ بہت حد تک حق بجانب بھی ہوتے لیکن دراصل وہ بالواسطہ ایسی بحث یا نزاع میں پڑ کر یہودیوں کی سازش کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۱۹ ویں صدی میں مقلدین و غیر مقلدین کے نزاعات اسی نوعیت کے ہیں۔ چونکہ ان دنوں خاندان ولی اللہی دہلی کا علمی مرکز تھا لہٰذا اسے توڑنے اور برباد کرنے کی سازش کی گئی۔ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے انتقال فرماتے ہی وہ آخری شخصیت بھی چلی گئی جو سد راہ بن سکتی تھی۔ چنانچہ اسی خاندان سے مستفید و فیض یاب افراد کے مابین وہ مناقشے ہونا شروع ہوئے جس نے تاریخ کا رُخ ہی بدل دیا۔ جہاں ایک طرف سیّد احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید، شاہ محمد اسحاق اور مولانا نذیر حسین تھے تو دوسری طرف شاہ مخصوص اللہ، مولانا فضل حق، شاہ احمد سعید اور مولانا صدر الدین آزردہ۔

حالیہ دنوں میں طلاق ثلاثہ کی بحث شروع ہوئی ہے وہ اسی قسم کی معلوم ہوتی ہے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ ۶/ دسمبر ۱۹۹۲ کے واقعات کے پیش نظر مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی آئندہ کے سخت حالات میں سخت ضرورت ہے اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ احناف اور اہل حدیث باہم دست و گریباں ہو جائیں۔

⑤ یہودیوں کی ایک اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی معقول اور صحیح بات کو ایک ایسے وقت میں حکمرانوں، علماء اور عامۃ المسلمین کے مابین بحث کا موضوع بنا ڈالتے ہیں جو وقت مسلمانوں کے اعتبار سے خلاف مصلحت ہوتا ہے یعنی صحیح موقف کو غلط طریقے سے غلط وقت میں پیش کرنا۔ اس کی ایک مثال ۱۹۵۳ میں پاکستان میں برپا قادیانی مسئلہ سے لی جا سکتی ہے۔

قادیانیوں کے خلاف اسلام حرکتوں اور ان کے غیر مسلم ہونے سے امت میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اس اعتبار سے ان کے خلاف آواز بلند کرنا ایک درست بات تھی لیکن جب

آپ دیکھیں گے کہ یہی دُرست بات کس طرح غلط وقت میں اور مسلمانوں کی مصلحت کے برخلاف موضوع بحث بنائی گئی تو اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ اس کے پیچھے یہودی ذہن کار فرما تھا۔ ۱۹۴۸ میں پاکستان کے تمام علماء نے ایک تاریخی محضر مرتب کر کے حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالا کہ ملک کو ایک اسلامی مملکت قرار دیکر اس کے قوانین کو اسلامی شکل میں مدون کیا جائے۔ چنانچہ پاکستان کی قومی اسمبلی کو قرارداد مقاصد منظور کرنا پڑی جس کے تحت حکومت پابند ہو گئی کہ وہ اسلام کے مطابق دستور سازی کرے۔ چنانچہ ۱۹۵۳ میں دستوری بل وہاں کی قومی اسمبلی میں پیش ہونا تھا جس کے منظور ہونے کے بعد پاکستان میں ایک اسلامی دستور نافذ العمل ہو جاتا۔ لیکن عین اس اجلاس سے چند ماہ قبل ملک میں قادیانی مسئلہ بحث کا موضوع بنا دیا گیا جو رفتہ رفتہ ایک بڑی ہنگامہ آرائی میں تبدیل ہو گیا۔ ہر چند کہ بعض ذہین شخصیتیں مثلاً مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ اس دام ہمرنگ زمین کو سمجھ چکے تھے اور ابتداءً انھوں نے لوگوں کو روکنے کی کوشش کی اور سمجھایا کہ مسلمان چند ماہ انتظار کر لیں۔ دستوری بل پیش ہوا چاہتا ہے اسے پاس ہو جانے دیں اور پاکستان میں ایک اسلامی دستور نافذ ہو جانے دیں۔ پھر خود بخود قادیانی اور اس طرح کے دیگر مسائل ختم ہو جائیں گے۔ ملک میں Infrastructure کی کمی اور بعض دیگر باتیں سدراہ ہو گئیں اور ان کی بات صدا بصحرا ثابت ہوئی اور حالات قابو سے باہر ہو گئے۔ سازش کرنیوالوں کا بنیادی مقصد ملک کو بحران میں مبتلا کر کے اسلامی دستور سازی سے روکنا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی حالات نے عوامی تحریک کا رُخ اختیار کیا انھوں نے لاہور میں مارشل لا لگا دیا، قومی اسمبلی تحلیل کر دی اور اسلامی دستور سازی کم از کم ۲۰ سالوں تک سرد خانوں میں چلی گئی۔

یہودیوں کی ان سازشوں کا ہندوستان میں سب سے پہلے احساس حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو ہوا۔ یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ ہم نے شاہ صاحب اور ان کے جلیل القدر بیٹے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو سمجھنے کا حق ادا نہیں کیا۔ ایسا لگتا ہے کہ ۱۱۴۳ ہجری سے قبل شاہ صاحب بھی ہندوستان میں برپا ہونے والے ان مسئلوں کو شیعہ سنی تناظر میں اور سلطنت مغلیہ کی کمزوریوں کے اعتبار سے دیکھتے رہے تھے۔ لیکن ۱۱۴۳ ہجری میں انھیں اس کا بخوبی احساس ہو گیا کہ یہ کوئی اور گہری اور عالمی سازش ہے اور اس کا سمجھنا اور مقابلہ کرنا ملکی سطح پر رہ کر نا ممکن ہے

چنانچہ انھوں نے اس کا فیصلہ کیا کہ وہ حجاز تشریف لے جائیں اور حالات وواقعات کا عالمی تناظر میں جائزہ لیں۔ ممکن ہے شاہ صاحب ۱۱۴۳ ہجری سے کم از کم بارہ سالوں قبل سے ہی اس مسئلہ پر غور کر رہے ہوں لیکن وہ ایک نتیجے پر یقیناً ۱۱۴۳ ہجری میں پہنچے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں وہ لکھتے ہیں:

"احوال ہند بر ما مخفی نیست کہ خود مولد و منشاء مقیر است۔ بلاد عرب نیز دیدیم۔ واحوال مردم ولایت از ثقات آنجا شنیدم"۔

اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب ان حالات وواقعات کو عالمی تناظر میں دیکھ رہے تھے۔ اس کا مزید ثبوت حجۃ اللہ البالغہ کی تصنیف سے ملتا ہے جس کا پس منظر اس کی تمہید میں شاہ صاحب نے لکھا ہے۔ بہ نظر غائر دیکھا جائے تو تاریخ انسانی میں واقع ہونے والی اس عالمگیر یہودی سازش اور اس سے مقابلہ آرائی کے لئے اُمت مسلمہ کو تیار کرنے کی پہلی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ قرار دی جاسکتی ہے اور اس سازش کی طرف پہلا اشارہ اس کے مقدمہ میں ملتا ہے۔ اسی تمہید کے بین السطور میں اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ شاہ صاحب کو ایسے افراد میسر تھے جنھوں نے ۱۱۴۳ھ سے قبل مغرب میں واقع ہونے والی نشاۃ الثانیہ کے بعد کی علمی وفکری تبدیلی کا براہِ راست اور بھرپور مطالعہ فراہم کیا تھا۔ کم از کم میرے علم میں اس وقت تک عربی، ترکی اور فارسی زبانوں میں ایسی کوئی معلومات فراہم نہ تھی۔ یہ ایک المیہ ہے کہ ہم نے شاہ صاحب کی کوششوں کو اپنی تنگ نظری اور نارسائی پر قیاس کیا۔

گزشتہ دوسو سالوں میں ہندوستان کے عام حالات کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

ہندوستان میں تبدیلی لانے والے عناصر کی تین قسمیں ہیں:

① وہ گروہ جو ریڈیکل کہلاتے ہیں۔

② وہ گروہ جسے براہ راست اقدام کرنے والا گروہ کہہ سکتے ہیں۔

③ وہ گروہ جسے بالواسطہ اقدام کرنے والا گروہ کہا جاتا ہے۔

ہندوستان کی تمام کمیونسٹ اور سوشلسٹ پارٹیاں مثلاً سی پی آئی CPI سی پی آئی ایم CPIM، سی پی آئی ایم ایل CPI-ML آئی پی ایف IPF اور وہ تمام پارٹیاں جو سوشلزم کو اپنا ہدف قرار دیتی ہیں خواہ وہ کسی نام سے ہوں ریڈیکل گروہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

ہندوستان کی تمام وہ پارٹیاں جو براہ راست احیاء پرستانہ تحریک چلا رہی ہیں اس زمرے میں آتی ہیں۔ آج انھیں آسانی کی خاطر سنگھ پریوار کہا جاتا ہے۔ ان میں آر ایس ایس، بی جے پی، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل، شیو سینا، ہندو مہاسبھا وغیرہ خاص ہیں۔

ہندوستان کی تمام وہ پارٹیاں جو کانگریس یا اس سے الگ ہو کر بنی ہوئی پارٹیاں کہلاتی ہیں بالواسطہ اقدام کرنے والی پارٹیاں کہلاتی ہیں۔

یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ یہودیوں کا ان تینوں گروہوں سے براہِ راست تعلق ہے۔ کیمونسٹ اور سوشلسٹ پارٹیاں تو عالمی سطح پر براہِ راست یہودیوں کے ذریعہ ہی چلائی جاتی رہی ہیں۔ اور ہندوستان میں بھی ان کے ۹۵٪ اعلیٰ ترین قیادت برہمنوں پر ہی مشتمل ہے۔

جہاں تک سنگھ پریوار کا تعلق ہے تو وہ یہودیوں کی خانہ زاد تحریک ہے۔ اور ان کی تشکیل جرمنی اور مشرقی یوروپ کے یہودی تنظیموں کے طرز پر ہوئی۔ ان کے بڑے لیڈر ابتداء ہی سے اسرائیل کا دورہ کرتے رہے ہیں اور اس سال تو انھوں نے عالمی یہودی کانگریس سے علانیہ اپنے ربط کا اظہار کیا ہے۔

جہاں تک کانگریس اور اسی قبیل کی پارٹیوں کا تعلق ہے تو یہ بات واضح ہو کہ یہودی ہمیشہ سے کانگریس کے پشتیبان رہے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کے یہودی وائسرائے لارڈ ریڈنگ اور پارلیامنٹری انڈر سکریٹری آف اسٹیٹ فار انڈیا مسٹر مانٹیگو کی مدد علانیہ انھیں حاصل رہی۔ ایڈون سیموئیل مانٹیگو Edvin Samuel Montague ۱۹۲۴-۱۸۷۹ نے مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات ۱۹۱۹ Montague-Chelmsford Reforms میں اہم رول ادا کیا اور ہندوستان کی سلطنت ہندوؤں کو براہ کانگریس منتقل کرنے کی راہ استوار کی۔ اسی طرح لارڈ ریڈنگ کے غیر معمولی کارنامے دو ہیں۔

① ہندوستان میں منظم طریقے سے ہندو مسلم فساد برپا کرانا۔ اور

② سلطنت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کے مابین ہونے والے معاہدے کی ایک انوکھی تعبیر کرنا۔

یہ بات تاریخ کا گہرائی سے مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی اعلیٰ ترین قیادت کے اہم ترین اور سب پر حاوی بین الاقوامی مشیر دو یہودی ایچ سی ایل پولک H.C.L Polak ۱۸۸۲ اور ہرمن کالن باخ Hermann Kallenbach ۱۹۴۵-۱۸۷۱ تھے۔ اس سلسلے میں ایچ سی پولک کا مضمون اس کی ہندوستانی قیادت سے تعلقات کی نوعیت اور اس کے داعیہ پر بہترین طریقے سے روشنی ڈالتا ہے جو دی جیوشن کرانیکل لندن The Jewish Chronicle, London 1913 میں شائع ہوا ہے۔

بالواسطہ کام کرنے والی سب سے بڑی اور سب سے پھیلی ہوئی تنظیم کانگریس پارٹی ہے اس کا اصل مقصد ہندوستان کے تناظر میں سیکولرائزیشن اور انڈیانائزیشن Secularisation and Indianisation ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اس ملک میں دیگر قوموں کو سیکولرائز کرکے انڈیانائز کرنا۔ یہ انڈیانائزیشن کی وہ شکل ہے جسے بالواسطہ انڈیانائزیشن Indirect Indianisation کہتے ہیں۔ اسی کا دوسرا نام گنگا جمنی یا ملی جلی ثقافت Composite culture کا قیام ہے چنانچہ اس نصب العین کے حصول کے لئے دستور میں ایک مخصوص باب شامل کیا گیا ہے جو دراصل ہندوستان میں قائم ہر حکومت کا نصب العین ہوگا۔ دستور کا یہ باب رہنما اصول Directive Principles کہلاتا ہے۔ دستور کی دفعہ ۴۴ جو ہندوستان میں یکساں سول کوڈ کے قیام کا عزم رکھتا ہے وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

براہِ راست اقدام کرنے کے طریقے سے مراد Direct Indianisation ہے۔ سنگھ پریوار یعنی آر ایس ایس، بی جے پی، وشو ہندو پریشد وغیرہم کا یہی طریقہ کار ہے۔ وہ اپنے اس موقف کو بلاکم وکاست اور علانیہ پیش کرتے ہیں۔ اور دیگر قوموں کو صاف صاف ہندو ہوجانے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ریڈیکل تنظیمیں عام طور پر مذہبی تہذیبی، لسانی، علاقائی امور سے تعرض نہیں کرتیں لہٰذا ان کے بارے میں عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ نہ تو فرقہ وارانہ پارٹیاں ہیں اور نہ فاشسٹ۔ لیکن کسی چیز کے پیش کرنے اور اس کے سمجھنے کا فرق ہے۔ عام طور پر ریڈیکل پارٹیوں مثلاً کیمونسٹ پارٹی، سی پی آئی ایم۔ آئی پی ایف وغیرہم کی کوشش غریبوں،

مزدوروں، غریب کاشتکاروں، بے زمین لوگوں اور کاشتکار مزدوروں کے لئے جدوجہد کرنے کی ہوتی ہے لیکن ان کی اصل حقیقت سمجھنے کے لئے اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ ان کے ہدف اور اصول مقصد کی اصل حقیقت کیا ہے۔

کیمونسٹ پارٹیوں کے سلسلے میں کچھ باتیں پہلے آچکی ہیں۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ تاریخ کے تناظر میں ان کی کوششوں کا جائزہ لیا جائے۔

فروری ۱۷۶۵ اور اکتوبر ۱۷۶۵ میں ایسٹ انڈیا کمپنی مغل بادشاہ شاہ عالم سے دو چیزیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی یہ دونوں چیزیں بنگال کی دیوانی کہلاتی ہیں۔ اس اختیار کے حصول کے بعد انھوں نے مسلمانوں کی معاشیات پر ایک کاری ضرب لگائی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی قوت کے سرچشموں میں سے ایک ان کا نظام آراضی بھی تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے مسلمانوں کو زمین سے بے دخل کرنے کے لئے ۱۷۷۶ میں دوامی بندوبست Permanent Settlement کا قانون پاس کیا۔ گویا اس طرح بیک وقت دو باتیں واقع ہوئیں۔ اولاً مسلمان اپنی زمینوں سے بے دخل ہوگئے اور ثانیاً وہ زمینیں ہندوؤں کو منتقل ہوگئیں۔ اسی طرح کے قوانین شمالی ہندوستان میں رعیت واری طریقہ Rytwari system اور مغربی ہندوستان میں محال واری طریقہ Mahalwari System کے نام سے نافذ کئے گئے۔ اس طرح دیکھتے دیکھتے پچاس سالوں کے اندر یعنی ۱۸۵۰ سے قبل مسلمان سارے ہندوستان کی زمینوں سے بے دخل کر دیئے گئے۔ جب انگریزوں کا ۱۸۵۷ کے بعد کلی اقتدار قائم ہوگیا تب تک مسلمان حکومت، تجارت، زراعت اور صنعت تمام سے عملاً بے دخل کئے جا چکے تھے۔ صرف چھوٹی چھوٹی زمینداریاں اور دیگر معاشی کام ان کے ہاتھوں میں رہ گئے۔

۱۹۴۷ کے بعد یہ مشن Mission جو ہنوز نامکمل تھا۔ دو سطحوں سے پورا کیا جانے لگا قانونی اور سرکاری سطح پر زمینی اصلاحات کے قوانین Land Reform Acts پاس کئے گئے۔ ہندو یا تو بے دخل ہونے سے رہے یا منتقل ہوکر تجارت، صنعت، حکومت اور سیاست میں چلے گئے۔ مکمل بربادی صرف مسلمانوں کے حصے میں آئی۔

دوسری طرف یہی کام ریڈیکل عناصر نے کمیونسٹ پارٹیوں کے ذریعہ مزدوروں کاشتکاروں اور بے زمین کسانوں کے نام پر کئے۔

علاوہ ازیں کمیونسٹ پارٹیوں نے ہندو مذہب کا ایک بڑا اور اہم قدیمی مشن پائہ تکمیل تک پہنچایا جسے از سر نو درجہ بندی Restratification کہتے ہیں۔ جیسے جیسے ان تینوں گروہوں کے اصل مقاصد پورے ہوتے جا رہے ہیں یہ اپنی کردگردگی کے اعتبار سے اندرونی طور پر ایک دوسرے کے قریب آتے جا رہے ہیں۔ اگر ان کے مقاصد پورے ہو گئے تو آنے والے دنوں میں یہ ایک واحد پارٹی بن جائیں گے یا دو پارٹیوں کی شکل میں متبادل طور پر نظم حکومت چلائیں گے جیسا کہ یہودیوں نے امریکہ میں قائم کر رکھا ہے

سوالات و جوابات

سوال ۱: یہودیوں کی اتنی گہری اور زبردست سازش کے مقابلے کا کوئی امکان بھی ہے؟ اگر ہے تو طریقۂ کار کیا ہے؟

جواب: یہودیوں کی سازش بلاشبہ نہایت گہری اور زبردست ہے۔ لیکن اُمت مُسلمہ اس کا مقابلہ کرنے کی الحمدللہ پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ یہ اُمت حامل قرآن وسنّت ہے اور زندگی کے تمام معاملوں میں اور تا صبح قیامت انسانی تاریخ کے ہر مرحلے میں قرآن وسنّت اس کے لئے کافی ہیں۔

قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ بنو اسرائیل کا ذکر ہے اور جملہ چیزوں سے متعلق کافی ہدایت فراہم ہے۔ قرآن واحادیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہود اور ان کے حلیفوں سے اسلام اور مسلمانوں کی معرکہ آرائی مقدر اور منصوص ہے۔ ہمیں ان سے باخبر کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہمارے پاس قرآن واحادیث کی شکل میں یہودیوں کی تاریخ، نفسیات، اور ان کے رویئے کی بھرپور معلومات ہے۔

مثلاً قرآن میں سورۂ جمعہ میں فرمایا گیا ہے کہ یہودی موت سے گھبراتے ہیں وہ مرنا نہیں چاہتے قرآن کی یہ بات کس قدر صحیح ہے جسے آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ حکومت اسرائیل اور تمام یہودیوں کے دل کا خوف دراصل موت کا خوف ہے۔ کروڑوں ڈالر کے نقصان پر ان کی پیشانیاں شکن آلود نہیں ہوتی لیکن ایک یہودی کی موت یا موت کا خوف انھیں گھبرا دیتا ہے۔ اسرائیل اور یہودی مسلمانوں کی ان تحریکوں اور تنظیموں سے سب سے زیادہ گھبراتے ہیں اور انھیں زندہ رہنے کی اجازت تک دینے کو تیار نہیں۔ جو جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دیتی ہیں۔ مسلمانوں کی وہ تحریکیں اور تنظیمیں انھیں بہت پسند ہیں جو یا تو جہاد سے امت کو روکتی ہیں یا جہاد کی ایسی تاویل کرتی ہیں جن سے زمین پر قتال کی نوبت ہی نہ آئے۔ ہم اپنے اسلاف میں ایک غیر معمولی بات دیکھتے ہیں۔ وہ یہ کہ انھوں نے بنو اسرائیل سے متعلق ہر بات خواہ وہ کسی قسم کی ہو، جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ آخر ان کے لاشعور میں کیا بات تھی؟

بڑے افسوس کی بات ہے کہ گزشتہ چند سالوں سے اور بطور خاص جب سے مغربی تہذیب پھیلی ہے اس سرمائے کو ہدف تنقید بنایا جا رہا ہے۔ اور ایسا کرنے میں بعض نہایت سنجیدہ افراد بھی شامل ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جن کی ثقاہت پر اعتماد کئے بغیر ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں اس لئے کہ اسلام کا سارا سرمایہ ان سے ہو کر ہی ہم تک پہنچتا ہے انہوں نے آخر ایسا کیوں کیا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم کو اسرائیلیات کے اس سرمائے کو جمع کرنے کی ضرورت اور ان سے استفادہ کی شکل کے سلسلے میں غلط فہمی ہو رہی ہے۔

میرا خیال ہے کہ ان بزرگوں پر قرآن واحادیث کے عمیق مطالعہ سے جو بات منکشف ہوئی ہوگی وہ اسلام اور مسلمانوں سے یہودیت اور یہودیوں کہ معرکہ آرائی کی مقدر صورت ہے۔ یہ وہی معرکے اور فتنے ہیں جن کا آغاز کسی نہ کسی شکل میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی ہو گیا تھا۔ ذخیرۂ احادیث کے عنوانات:

(۱) النهي عن سوال اهل الكتاب (۲) تكاتم اليهود احكام التوراة عن النبي

(۳) جبریل عدو الیہود (۴) النہی عن تقلید الیہود والنصارٰی فی تحیتہم (۵) اذا لقیتم الیہود والنصارٰی فی طریق اضطروھم إلی اضیقھا (۶) اجلاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمیع الیہود من المدینہ (۷) اجلاء عمر لیہود خیبر (۸) وصیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باخراج الیہود من الحجاز و اھل نجران من جزیرۃ العرب (۹) اجلاء عمر الیہود من نجران وفدک (۱۰) امر النبیؐ باخراج الیہود والنصارٰی من جزیرۃ العرب (۱۱) عزم عمر علی اخراجہم (۱۲) قصۃ ابن صیاد (۱۳) اور تمیم داری کی حدیث اسی سلسلے کا مرحلہ ابتدائی ہیں۔ اور جس کی انتہا کی خبر ان حدیثوں میں ملتی ہے جس کا ذکر مثلاً مشکوٰۃ کی کتاب الفتن اور ذیلی ابواب میں آئے ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ ان بزرگوں نے یہ سارا رطب ویابس اسی لئے جمع کر دیا ہے تاکہ ہم بنو اسرائیل کی پوری پوری معلومات رکھیں۔ اور ان فتنوں سے محفوظ رہنے اور ان کا مقابلہ کرنے کی تدبیر کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے معلومات ہوتا ہے کہ انھیں خوف تھا کہ یہ اُمت یہود و نصارٰی کے نقش قدم پر چلنے لگے گی۔ انھیں اس کا بھی خوف تھا کہ یہ اُمت مال کے فتنے میں مبتلا ہو جائے گی اور اس میں وہن پیدا ہو جائے گا۔ لہٰذا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں سے متنبہ کیا ہے جن سے یہودی مزاج، یہودی فکر اور یہودی تصورات ومعیارات پیدا ہوں۔ لہٰذا یہودی مزاج، یہودی فکر، یہودی تصورات ومعیارات سے بچنے اور اُمت کی ہر صالح قوت کی حفاظت کے لئے جو حصن حصین ہے اس کی حفاظت کی ترغیب دلائی گئی جو اُمت کی تمام قوتوں کا سرچشمہ، تمام مشکلوں کا مداوا اور تمام دکھوں کا علاج ہے اور وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ جسے ذروۃ سنامہ کہا گیا۔ کہا گیا: الجھاد ماض مذ بعثنی اللہ إلی ان یقاتل اٰخر امتی الدجال، لا یبطلہ جور جائر ولا عدل عادل۔

چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سازش سے مقابلہ آرائی کے لئے کافی سامان موجود ہے۔ اور وہ ہیں: بنو اسرائیل یعنی موجودہ مغربی افکار ونظریات اور معیارات سے کلی اجتناب،

قرآن وسنت اور اس کی روح اور الفاظ سے کلی تمسک، دنیا اور حصول مال سے توحش اور جہاد فی سبیل اللہ۔ اور جہاد فی سبیل اللہ سے مراد وہ جہاد ہے جس کا تذکرہ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے:

لا یکلم احد فی سبیل اللہ واللہ اعلم بمن یکلم فی سبیلہ
إلا جاءَ یوم القیامۃ وجرحہ یثعب دما اللون لون الدم
والریح ریح المسک ــــــــ متفق علیہ

اس تدبیر کے موثر ہونے کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ یہی بات ہے جس سے مغرب نے گزشتہ دو سو سالوں سے ہمیں الگ رکھنا چاہا ہے۔

سوال ۲۷: دنیا میں یہودیوں کی کیا صورتحال ہے؟

جواب: دنیا میں یہودیوں کی تعداد تقریباً ۲ کروڑ ہے۔ اس میں سے بہت بڑی تعداد اسرائیل میں آباد ہے۔ اسرائیل کے علاوہ ان کی بڑی آبادیاں امریکہ، مشرق ومغربی یورپ، روس، وسطٰی ایشیا، مغرب، مصر، عراق ایران وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔ افغانستان میں بھی یہودی بڑی تعداد میں تھے۔ لیکن گزشتہ دس سالوں میں ان کی معتد بہ تعداد ترک وطن کر چکی ہے۔ وسطٰی ایشیا میں ان کی بڑی آبادیاں کرغیزستان، ازبکستان تاجکستان اور ترکمانستان میں پائی جاتی ہیں۔ کرغیزستان پر ان کی گرفت نہایت مضبوط ہے۔ یوں تو وسطٰی ایشیا کے تمام ملکوں سے ان کے بڑے گہرے روابط ہیں۔ دراصل ان کی وجہ یہ ہے کہ کمیونسٹوں کے زمانے میں انھیں یہودیوں کا وہاں بول بالا تھا اور چونکہ وہاں کی حکومتیں وہاں کے عوام کی نمائندہ اب بھی نہیں بن سکی ہیں اور درپردہ وہی کمیونسٹ حکومت کر رہے ہیں لہٰذا ان یہودیوں کو اب بھی رسوخ حاصل ہے۔

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہودی ریاست باضابطہ طور پر صرف اسرائیل میں قائم ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دنیا میں کم از کم دو اور ایسی ریاستیں پائی جاتی ہیں۔ بلاشبہ اسرائیل اور ان ریاستوں میں کچھ فرق ہے۔ اسرائیل کے علاوہ دو دیگر ریاستوں میں پہلی جارجین جیوش اوبلاسٹ Georgian Jewish Oblast کہلاتی ہے جو جارجیا یعنی

گرجستان میں واقع ہے۔ اور دوسری ریاست بیروبیدان Birobidzan کہلاتی ہے۔
یہ ریاست چین اور منگولیا کے شمال مشرق میں ایک دشوار گزار علاقے میں قائم ہے۔ اور
بہت حد تک نہایت خفیہ ہے۔

سوال ۳: جامعہ ازہر میں یہودی کس طرح داخل ہوئے؟

جواب: مختلف طریقوں سے: ایک طریقہ تو یہ ہے کہ انھوں نے اسلامی علوم میں مہارت
حاصل کی، پھر طالب علموں کی طرح اور خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے وہاں داخل ہوگئے۔
دوسرا طریقہ یہ تھا کہ وہ غیر مسلموں کی طرح آئے اور اسلام قبول کیا پھر وہاں تعلیم حاصل
کرتے رہے۔ چنانچہ کچھ دنوں میں وہاں علم اور رسوخ حاصل کرلیا۔ تیسرا طریقہ براہ راست ہے
اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے اسلامی علوم پر قدرت حاصل کی اور کسی مسلم علاقے میں چلے گئے
اور وہاں خود کو عالم دین ظاہر کیا اور پھر وہاں سے ازہر جیسے مقتدر ادارے میں منتقل ہوگئے۔

یہ بات چنداں محال بھی نہیں اس لئے کہ مجھے ایک باوثوق شخص سے معلوم ہوا کہ
انگلستان میں عیسائیوں کے ذریعہ ایسے ادارے چلائے جاتے ہیں جہاں قرآن واحادیث
کی اسی طرح تعلیم دی جاتی ہے جیسے ہمارے کسی بہترین مدرسہ میں۔ ظاہر ہے ان جیسے اداروں
میں ایسے افراد پیدا کئے جا سکتے ہیں۔

ایک صاحب نے ایک غیر مسلم ملک کے محکمہ سراغرسانی کے ایک بڑے افسر کے بارے
میں بتایا جو غیر مسلم تھا کہ وہ افسر ایک مسجد میں کئی سالوں تک امامت اور خطابت کی ذمہ داریاں
ادا کرتا رہا۔

سوال ۴: یہودی نہایت ترقی یافتہ نظر آتے ہیں جبکہ قرآن میں آیا ہے کہ ان پر ذلت اور
مسکنت مسلط کردی گئی ہے۔ اس کی کیسے تطبیق ہوسکتی ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ جہاں مذکورہ آیات پر غور وفکر کی ضرورت ہے یعنی (البقرہ ۶۱ اور
آل عمران ۱۲۱) پر وہیں سورہ اسریٰ آیات ۴ یا ۸ پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ان آیات کے نزول سے قبل دوبارہ یہود بیت المقدس سے نکالے گئے۔ پہلی بار
یہ واقعہ ۵۸۶ قبل مسیح میں ہوا اور دوسرا واقعہ ۷۰ بعد مسیح میں ٹائی ٹس کے ہاتھوں۔

ان آیات کو آپ پڑھیں تو محسوس ہوگا کہ وہ آخری مرحلہ شروع ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ عالم اسلام
کے مختلف علماء کرام اور اکابرین کا احصاء تو یہاں ممکن نہیں تاہم ہندوستان کے چار بزرگوں
کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جن کا ذہن ایک مخصوص نکتے پر مرکوز ہوا۔

سب سے پہلے شاہ ولی اللہ صاحب نے القول الجلی اور پھر فیوض الحرمین میں اس طرف
اشارہ کیا ہے۔

ان کے بعد ان کے بیٹے شاہ رفیع الدین صاحب نے قیامت نامہ تصنیف فرمایا۔ آثار قیامت
اور اشراط الساعۃ کی احادیث کو جمع کرنا یوں تو ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے تاہم ان کی موجودہ
ترتیب جو قیامت نامہ میں مذکور ہے وہ کم از کم اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ شاہ صاحب کھول کر عام فہم
طریقے سے باخبر کرنا چاہتے تھے۔

شاہ رفیع الدین صاحب کے بعد حضرت تھانوی نے اس رسالہ کو اپنی کتاب بہشتی زیور
میں نقل فرما کر اسے عوام الناس بلکہ عام پڑھی لکھی دیہقانی خواتین تک پہنچانے کا کام مکمل کردیا۔

یہاں بطور معترضہ کے یہ بات کہنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ گزشتہ تیس سالوں
میں مسلم معاشرے میں ایک غیر معمولی تبدیلی نظر آتی ہے۔ تیس سالوں قبل تک مسلمانوں کے
ہر طبقے میں کیا علماء کیا دیگر پڑھے لکھے افراد کیا عامی کیا خواتین کیا اَن پڑھ سبھی بات بات پر
قیامت، قرب قیامت اور آثار قیامت کی بات کرتے تھے۔ جب بھی انھیں کوئی عجیب
وغریب بات سننے کو ملتی تو ان کا ذہن معاً قیامت کی طرف چلا جاتا تھا۔ ان باتوں اور علامتوں
کا تو ذکر ہی کیا جن کا تذکرہ قرآن یا احادیث میں ہوا ہے۔ لیکن آج صورتحال یکسر بدل گئی ہے
عامی اور کم پڑھے لکھے لوگ تو الگ رہے علماء اور دیندار افراد بھی قیامت کا کم ہی تذکرہ
کرتے ہیں۔ اور اگر کرتے بھی ہیں تو بس ایک علمی چیز کی حیثیت سے اور اخبار وآثار کی تطبیق
کی طرف شاید ہی ان کا ذہن منعطف ہوتا ہے۔

چوتھی شخصیت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی ہے۔ آپ نے مسجد اقصیٰ
میں آتشزدگی کے واقعہ کے بعد ایک چھوٹا سا رسالہ تحریر فرمایا تھا جس کا نام ہے
سانحہ مسجد اقصیٰ۔ مولانا آگ لگنے کے اس واقعے کو محض ایک حادثہ قرار نہیں دیتے اور نہ کوئی

معمولی شرارت بلکہ ان کا ذہن ان باتوں کی طرف گیا جن کی خبر قرآن واحادیث میں دی گئی ہے۔

خلافت کا ٹوٹنا، اسرائیل کا قیام، ساری دنیا کے یہودیوں کا اسرائیل میں جمع ہونا، بیت المقدس پر ان کا قبضہ، ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا آغاز، مسجد اقصیٰ کی بنیادوں کو اندر سے کھوکھلا کر دینا، اور بالآخر مسجد اقصیٰ میں آتش زدگی یہ ایک گہری سازش کا حصہ ہی ہوسکتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ آخری مرحلہ آپہنچا ہے۔

میں کوئی حتمی بات نہیں کر رہا ہوں۔ آپ حضرات اہلِ علم ہیں خود ان امور پر غور کرسکتے ہیں۔